اُردو کہاوتیں

اُردو کہاوتیں

سُرور عالم راز سرورؔ
قیصر رازیؔ

کُتب خانہ
https://www.facebook.com/groups/240968309416336/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ہم دونوں کی ماؤں

کے نام جن کی کہاوت بھری کہانیوں سے ہمارا بچپن روشن اَور سرشار َرہا

آسماں ''اُن'' کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
(علامہ اقبالؔ)

سرور عالم راز سرورؔ اور قیصر رازیؔ

اُردو کہاوتیں

حرفِ چند

میراثِ پدر خواہی، علمِ پدر آموز

(اگر تو اپنے باپ کی میراث کا خواستگار ہے تو اُس کا سا علم حاصل کر)

یادش بخیر! مجھ کو بچپن کا وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے جب دُنیا کی فکر و پریشانی سے بے نیاز اور زمانہ کے نشیب و فراز سے بیگانہ، زندگی والدین کے محبت بھرے سائے میں ہنستے کھیلتے گزرتی تھی۔ نہ صبح کی خبر تھی اور نہ ہی رات کی فکر۔ محلہ کے دوستوں کا ساتھ تھا، ہم تھے اور ہمہ وقت کھیل کود اَور دھما چوکڑی۔ والدہ مرحومہ کی اتھاہ محبت اور پیار سے زندگی کا ہر لمحہ روشن اور شاداب تھا۔ ان کی قربانیاں اور ان کی قربت، ان کی شفقت اور ان کی بے لوث ماممتا زندگی کی ایسی بیش بہا اور رَوشن سوغات تھیں کہ آج بھی، جب کہ میں خود زندگی کی آخری منزلوں میں گامزن ہوں، وہ یاد آ کر روح کو سرشار، دل کو افسردہ اور آنکھوں کو نم کر جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ماں کے پیروں کے نیچے جنت بتائی تھی تو ان کے دل میں بھی اپنی والدہ محترمہ کی محبت کا ایسا ہی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہو گا اور وہ بھی اُنھیں یاد کر کے اسی طرح آبدیدہ ہو جاتے ہوں گے۔

بچپن کی اِن یادوں میں محلہ کی خواتین اور بڑی بوڑھیوں کی وہ شب و روز کی محفلیں اور مشاغل بہت نمایاں اَور دل پذیر ہیں جن میں ان کی طرح طرح کی گھریلو باتیں، مزے دار چٹکلے، لفظی چٹخارے، تیری میری برائی بھلائی، آپس کی نوک جھونک، معصوم اور بے ضرر ہنسی مذاق اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں خلوص و محبت سے شرکت کا ایسا خوبصورت اور دلکش رنگ ہوتا تھا کہ ان کو سن کر زندگی کچھ اور معتبر معلوم ہونے لگتی تھی۔ بات بات پر کوئی چٹکلہ سنائی دیتا تھا یا کوئی خوبصورت کہاوت کانوں میں پڑتی تھی۔ لمبے چوڑے قصے کسی بظاہر معمولی سی کہاوت پر اس طرح ختم ہو جاتے تھے جیسے پھر کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہو۔ جو لوگ کہاوتوں اور ان کے صحیح استعمال سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک بامحل کہاوت معمولی بات کو کس طرح زمین سے اٹھا کر آسمان کو پہنچا دیتی ہے اور چند الفاظ میں ایسی بڑی بڑی باتیں ادا کر جاتی ہے جیسے باتوں اور معاملات کے سمندر کو چند منتخب اور جانے پہچانے الفاظ کے کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ ’’گڑ نہ دے، گڑ کی سی بات تو کہہ دے، کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا، ایسے لا کر رکھ دیا جیسے سوت کا لونڈا، ماروں گھٹنا، پھوٹے آنکھ، ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا، اب کھائی تو کھائی، اب کھاؤں تو رام

دہائی''اور خدا جانے کتنی ایسی ہی تیز، تیکھی، کھٹ مٹھی، شوخ اور چلبلی کہاوتیں کانوں میں شہد گھول جاتیں۔ اس وقت یہ خیال و خواب میں بھی نہیں تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب لوگ ان کہاوتوں کو بھول جائیں گے، ان کو دقیانوسی سمجھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے اور انھیں اس بات کا خیال بھی نہیں آئے گا کہ یہ کہاوتیں ہماری زبان، تہذیب، ثقافت اور زندگی کا ایک نہایت اہم اور قابل قدر و احترام حصّہ ہیں اور ان کے قتل عام سے زبان و ادب و ثقافت کو کس قدر سخت نقصان پہنچے گا۔

بچپن کی یہی بھولی بسری لیکن نہایت پیاری یادیں کہاوتوں کی اس کتاب کا جواز ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی جواز کی ضرورت محسوس بھی نہیں ہوتی ہے۔ کہاوتوں کی کتابوں میں عام طور سے کہاوتیں، محاورے، روزمرہ اور ضرب الامثال سب کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ صرف کہاوتوں پر مشتمل کتابیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کہاوتوں اور محاوروں کو الگ الگ بیان کیا جائے تو ایک تو ان کا فرق اور استعمال قارئین کے سامنے واضح طور سے آ جائے گا اور دوسرے یہ کہ موقع و محل کے لحاظ سے مناسب کہاوت کے انتخاب و استعمال میں بھی بہت آسانی پیدا ہو جائے گی۔ جن کتابوں میں کہاوتوں اور محاوروں کو ساتھ ساتھ شامل کیا جاتا ہے وہاں کہاوتیں اکثر محاوروں کی یلغار میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں اور ایک عام قاری ان سے سرسری گذر جاتا ہے۔ چونکہ اس کے ذہن میں اکثر کہاوت اور محاورے کا فرق بھی واضح نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کو ان کی اہمیت اور استعمال کا علم بھی واجبی سا ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں صرف کہاتیں دی جارہی ہیں۔ جہاں جہاں کسی کہاوت کا پس منظر معلوم ہو سکا ہے وہاں اُس کو مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کہاوتوں کے بیان میں ایک جمالیاتی رنگ اور دلکشی پیدا ہو گئی ہے جو قاری کے لئے دعوت فکر بھی رکھتی ہے اور سامان تفنن طبع بھی۔ ہر زبان کی طرح اُردو میں بھی محاورے تعداد میں کہاوتوں سے کہیں زیادہ ہیں اور زبان و اَدب کے ارتقا کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ کہاوتیں اب نہ صرف استعمال ہی برائے نام ہوتی ہیں بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ بھی مشکوک ہے چنانچہ اپنی تہذیب و ثقافت کا یہ دلچسپ حصہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لینا کسی کارِ خیر سے ہرگز کم نہیں ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں بہت سی کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور راقم الحروف ان سب کے مولفین و مصنفین کا ممنون ہے۔ ان میں سے کچھ کتابیں اب کمیاب ہو کر رہ گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب کے توسط سے ان بیش قیمت کتابوں کی ایک حد تک بازیافت بھی ہو جائے گی اور یہ بھی ایک مقام شکر ہو گا۔ آخر میں میرے لئے اپنی رفیقۂ حیات قیصر رازیؔ کا شکریہ ادا کرنا ایک نہایت اہم اور محبت بھرا فریضہ ہے۔ بغیر ان کی محبت، مدد، دل سوزی اور تعاون کے صرف یہ کتاب ہی نہیں بلکہ میری ساری زندگی ہی ناتمام رہ جاتی ؎

افسانہ بن نہ جائے کہیں بات راز کی

یوں مختصر حکایت ناز و نیاز کی

(رازؔ چاندپوری)

سرور عالم راز سرورؔ

تقریب

سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

(غالبؔ)

زمانہ اس قدر تیز رفتاری سے بدل رہا ہے کہ اکثر اس کے قدم بقدم چلنا دُشوار ہو جاتا ہے۔ جو کل تھا وہ آج نہیں ہے اور جو اس لمحہ ہے وہ اگلے لمحہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ زندگی بدل رہی ہے، معاشرے بدل رہے ہیں، اقدار بدل رہی ہیں، پرانی روایات اور صورتیں پامال ہو رہی ہیں اور کوئی وقت جاتا ہے کہ ان کا نام و نشان بھی ڈھونڈے سے نہیں مل سکے گا۔ طوفانی رفتار سے بدلتی ہوئی اِس دُنیا نے اپنی لپیٹ میں ہر چیز کو لے لیا ہے اور اس کی گرفت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ جو وقت کی آواز پر لبیک کہنے میں کوتاہی کرے گا اور اس کا ساتھ نہیں دے گا اُس کا نام آئندہ تاریخ میں نظر آ جائے تو آ جائے ورنہ شاید اتنا بھی اس کی تقدیر میں نہیں ہو گا۔ زمانہ یوں ہی کروٹیں بدلتا رہے گا اور انسانی زندگی اور تاریخ ہمیشہ اسی طرح تغیر پذیر رہے گی۔ یہی قانون فطرت ہے اور قانون فطرت ازلی ہے۔ یہ نہ کسی کی خواہشات و ضروریات کا پابند ہے اور نہ ہی اس کو بدلا جا سکتا ہے

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ایسے حالات میں جب کہ نئی اقدار، تہذیب، ثقافت، ادب، آرٹ، سائنس غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ کی لمحہ بہ لمحہ تغیر پذیر صورت انسان کو انگشت بدنداں کئے ہوئے ہے کہاوتوں کا ذکر کچھ عجیب سا معلوم ہو تو مقام حیرت نہیں ہے۔ موجودہ نسل کے بہت سے لوگوں نے تو کہاوتیں سنی بھی نہیں ہیں اور ان کے لئے کہاوت، ضرب الامثال، محاورے اور روزمرہ ایک معمہ سے کم نہیں ہیں۔ جو چیز ان کو فضول یا بے فیض معلوم ہوتی ہے اس کی چھان بین، شیرازہ بندی، تحقیق، افادیت، تاریخ اور دیگر جزویات سے نئی نسل کو بے نیاز ہونے میں دیر نہیں لگتی ہے۔ کہاوتیں ایک تیزی

سے گزرتے ہوئے دَور کی نشانی بن کر رہ گئی ہیں اور گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ان کا گردِ کارواں بن جانا عین ممکن نظر آتا ہے۔ چنانچہ یہ سوال فطری طور پر ذہن میں آتا ہے کہ کہاوتوں کی کتاب کی کیا ضرورت اور افادیت ہے جو اِن پر وقت صرف کیا جائے؟

کہاوتیں، ضرب الامثال، روزمرہ اور محاورے ہر زبان کا ایک اٹوٹ، ناگزیر اور دلچسپ حصہ ہوتے ہیں۔ دُنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہوگی جس میں کسی نہ کسی صورت وحد تک ان کا استعمال نہ ہوتا ہو۔ جس طرح شعر و شاعری میں صنائع وبدائع، تراکیب وبندش، تشبیہات واستعارات، الفاظ کی نشست وبرخواست وغیرہ لطف زبان وبیان، معنی آفرینی، اثر پذیری، چاشنی اور چٹخارے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اسی طرح نثر میں کہاوتیں، ضرب الامثال اور محاورے بھی مستعمل ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ منظومات میں ان کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ منظومات (خصوصاً قصائد، ہجویات، مثنوی، مراثی، شہر آشوب، واسوخت وغیرہ) میں ان کا استعمال عام ہے۔ فی زمانہ ان اصناف سخن کی جانب لوگوں کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے چنانچہ کہاوتیں اور ضرب الامثال وغیرہ آج کی منظومات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ دَور غزل کا دَور ہے اور غزل اپنے رنگ و آہنگ، زبان وبیان، موضوعات اور انداز سخن کی وجہ سے کہاوتوں اور ضرب الامثال کے لئے زرخیز میدان فراہم نہیں کرتی ہے۔ جدید غزل تو اس معاملہ میں کچھ زیادہ ہی بے نیاز ثابت ہوئی ہے کہ پرانی روایات سے اس کو بہت کم علاقہ ہے۔ البتہ محاورہ ایسی چیز ہے جس کے بغیر زبان وبیان کا تصور مشکل ہے۔ بغیر محاوروں کی بیساکھی کے کوئی زبان دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ چنانچہ کیا نثر اور کیا نظم اُردو ادب بھی محاوروں کی دولت سے مالا مال ہے۔

پرانے زمانہ میں کہاوتیں اور ضرب الامثال بہت مقبول تھیں اور عام بول چال کے علاوہ ہمارے ادب کا بھی ایک اہم حصہ ہوا کرتی تھیں۔ لوگوں کی روزمرہ کی زندگی سیدھی سادی تھی، آج کل کی طرح سامان آسائش میسر نہیں تھے اور نہ ہی ضروریات زندگی بہت زیادہ یا پیچیدہ تھیں۔ لوگ اپنی تہذیبی، سماجی ولسانی روایات وزمین سے بہت قریب ہوا کرتے تھے اور انہیں اپنی خاندانی روایات اور معاشرتی اقدار کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔ آج کی طرح جدیدیت کی وَبا اُس وقت تک اِس بُری طرح نہیں پھیلی تھی اور لوگوں کو رشتوں کی قدر وقیمت، چھوٹوں کی عزت، بزرگوں کا احترام، اقربا کی حرمت، زبان وبیان کے آداب اور آپس کے روابط ومراسم کی پاسداری کا شدت سے احساس تھا۔

اب سے چند سال قبل تک اُردو ادب (خصوصاً سماجی منظومات، مثنویوں، افسانوں، انشائیوں، ناولوں اور خاکوں) میں جابجا کہاوتوں اور ضرب الامثال کا دلفریب اور ماہرانہ استعمال نظر آتا تھا۔ یہ عبارت میں صرف زیبِ داستاں کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان سے بات میں زور، لطف اور چٹخارہ بھی پیدا کیا جاتا تھا۔ نیز ان کے ذریعہ تحریر کی معنویت اور اثر پذیری میں نمایاں اضافہ بھی ہوتا تھا۔ اب اول تو ایسی کہانیاں اور افسانے ہی کم نظر آتے ہیں جو

ہمارے معاشرہ کی قدیم روایتوں سے وابستہ ہوں اور دوئم یہ کہ اس مشینی دور میں جب جدیدیت نے ترقی پسندی کے نام پر چاروں طرف اپنے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں بھلا کہاوتوں کی جانب متوجہ ہونے کی کس کو فرصت یا فکر ہے؟ اب نہ وہ لوگ باقی ہیں اور نہ وہ باتیں ؎

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس مرحلہ پر محاورہ، کہاوت اور ضرب المثل کی تعریف، ان کی مختصر تشریح اور ان کے مابین فرق و امتیاز کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ عام طور پر محاورہ اور کہاوت کا فرق تو کم و بیش لوگوں پر ظاہر ہے لیکن ضرب المثل اور کہاوت کے درمیان فرق و تفاوت اکثر لوگوں کے ذہن میں کچھ مبہم سا ہے۔

محاورہ الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس کے الفاظ کی ترتیب معین ہوتی ہے اور شکل یا ہیئت مقرر۔ محاورہ کا ستعمال نظم اور نثر دونوں میں نہایت عام ہے اور ان کے بغیر زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ محاورہ تحریر کی معنویت بڑھاتا ہے اور اس میں چاشنی، نکھار اور جاذبیت پیدا کرتا ہے۔ یہ بڑے سے بڑے مضامین کو چند الفاظ کے مختصر کوزے میں بند کرنے کا کردار ادا کرتا ہے اور عام تحریر و تقریر کو ادب لطیف کے مقام پر فائز کرتا ہے۔

محاورں کی ترتیبِ الفاظ یا شکل میں تصرف عام طور پر ان کے آہنگ و اثر پذیری کو نسبتاً کم یا ختم کر دیتا ہے اور اکثر محاورہ کے حق میں سم قاتل ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ''عقل کے ناخن لینا'' ہوش میں آنے یا سمجھ سے کام لینے کے معنی میں لکھا جاتا ہے۔ اس کو بدل کر اگر ''ہوش کے ناخن کترنا'' لکھا جائے تو یہ بے معنی، غلط اور ٹکسال باہر ہو جائے گا۔ محاورے کا استعمال زبان میں استعاراتی انداز سے ہوتا ہے یعنی محاورے کے الفاظ اپنے لغوی معنی سے ہٹ کر کسی اور ہی مضمون یا حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ محاورے کے الفاظ اکثر مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ''پانوں توڑ کے بیٹھ جانا'' مایوس ہو جانا، ہمت ہار جانا، کوشش نہ کرنا کے معنی میں لکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پانوں توڑنا اپنے اصل معنی نہیں رکھتا ہے۔ اسی طرح ''عقل کے گھوڑے دَوڑانا'' (فکر تدبر کرنا، سوچ بچار کرنا) کو گھوڑے دوڑانے سے لغوی نسبت نہیں ہے۔ البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ محاوروں کے الفاظ سے ان کے اصل معانی کا واضح اشارہ ملتا ہے جیسے پانوں کا ٹوٹ جانا معذوری اور عقل کے گھوڑے دوڑانا سوچ کی تیز رفتاری پر دلالت کرتا ہے۔

محاورے عام طور پر مصدری حالت میں ہوتے ہیں یعنی ان سے کسی فعل کا صدور ظاہر ہوتا ہے۔ اُردو کے قاعدے کے مطابق اُس کے مصادر ''نا'' پر ختم ہوتے ہیں (آنا، رونا، بکھرنا، رینگنا)۔ چنانچہ اُردو کے تقریباً سبھی محاورے بھی ''نا'' پر ہی ختم ہوتے ہیں مثلاً آنکھیں دکھانا (غصہ کا اظہار کرنا)، آنکھیں لڑانا (عشق بازی)، سورج کو چراغ دکھانا (کسی بڑے شخص کی تعریف میں کسی چھوٹے شخص کا کچھ کہنا)، اللّے تللّے اُٹھانا (فضول خرچی) وغیرہ۔

ایک بات اور غور طلب ہے کہ محاورہ اپنے معنی بیان کرنے میں مکمل فقرہ یا جملہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مافی اضمیر کی تکمیل و ترسیل کے لئے کسی دوسری الحاقی عبارت یا جملے کا محتاج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ''ڈنڈے بجانا'' آوارہ گردی یا بے کار مارے مارے پھرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اس کا پورا مطلب بات کو کسی الحاقی عبارت سے پورا کرنے پر ہی ادا ہوتا ہے جیسے ''فلاں شخص دن رات ڈنڈے بجایا کرتا ہے۔''

کہاوت عام طور پر کسی سبق آموز واقعہ کی جانب اشارہ کرتی ہے، پند و نصیحت کرتی ہے، انسانی فطرت اور خصلت کی صورت گری دل نشیں اور بعض اوقات شوخ اور چٹخارہ دار زبان میں کرتی ہے یا انسانی زندگی کے حقائق سے پردہ اُٹھاتی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ جس واقعہ، حادثہ، سانحہ یا تاریخی حکایت کی جانب کہاوت میں اشارہ کیا گیا ہو وہ گردش زمانہ سے اُڑائی ہوئی وقت کی دھول میں ایسا دَب گیا ہو کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا ہو۔ کہاوتوں کی اصل یا ماخذ معلوم کرنا کہ کس کہاوت نے کس طرح جنم لیا یا کون سا واقعہ اس کی نمود کا سبب ہوا مشکل ہی نہیں بلکہ اکثر نا ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی سند یا دستاویزی ثبوت کی عدم موجودگی میں لوگوں نے اکثر کہاوتوں کے پیچھے قیاس سے فرضی قصے، حکایتیں یا واقعات گھڑ لئے ہیں۔ یہ قصے من گھڑت ضرور ہیں لیکن کہاوت میں ان کا کردار کافی اہم ہے کیونکہ ایک تو یہ زیب داستان کا کام دیتے ہیں اور دوسرے ان کی مدد سے قاری ایک لمحہ کے لئے اس مصنوعی اور فرضی دُنیا میں پہنچ سکتا ہے جہاں سے کہاوت کا خمیر اٹھا ہے اور وہ اس ممکنہ صورت حال کو اپنی چشم تصور سے دیکھ سکتا ہے جس پر کہاوت مبنی ہو سکتی ہے۔

کہاوتیں اکثر اپنے لغوی یا لفظی معنوں سے ہٹ کر بھی اپنا مفہوم ادا کرتی ہیں یعنی ان کے الفاظ سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے لیکن ان سے مقصود کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ''آدھا تیتر، آدھا بٹیر'' ایک کہاوت ہے جو بظاہر کسی جانی پہچانی چیز کی جانب اشارہ نہیں کر رہی ہے کیونکہ ایسا کوئی پرندہ ہے ہی نہیں جو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہو۔ اس کہاوت سے دراصل ایسا آدمی مقصود ہے جو ہر لمحہ رنگ بدلتا ہو اور اپنی خصلت میں ڈانواڈول یا غیر معتبر ہو۔ یہ خصوصیت کہاوتوں کی دل پذیری کا ایک نہایت اہم اور خوشنما پہلو ہے۔ اس طرح کہاوتیں زبان کی وسعت اور معنویت میں خوبصورت اضافہ کرتی ہیں، بیان میں نکھار، چٹخارہ اور تیکھا پن پیدا کرتی ہیں اور چند الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتی ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اُردو کئی زبانوں کے اجتماع اور باہمی ربط و ضبط سے وجود میں آئی ہے۔ ساتھ ہی اس نے مقامی زبانوں اور بولیوں سے بھی گہرے اور ہمہ گیر اثرات قبول کئے ہیں۔ چنانچہ اُس میں علاقائی اور مقامی زبانوں اور بولیوں کی کہاوتیں بھی ملتی ہیں، شستہ اور ثقہ اُردو بھی دکھائی دیتی ہے اور عربی و فارسی سے مستعار لی ہوئی کہاوتیں بھی ضرب الامثال کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ اس طرح کہاوتیں اُردو کی اُن گہری لسانی، تہذیبی، ثقافتی، ادبی اور معاشرتی روایات کی پاسدار ہیں جو اس کے خمیر کا جزو لاینفک ہیں۔

کہاوتیں عام طور سے ایک مکمل اور جامع بیان یا فقرہ کی شکل میں ہوتی ہیں اور مصدری حالت میں شاذونادر ہی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے مطلب کی ادائیگی میں کسی الحاقی جملہ یا عبارت کی محتاج نہیں ہوتی ہیں بلکہ متعلقہ عبارت میں معنویت اور نکھار پیدا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ''شروعات ہی غلط ہوئی'' کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ ''بسم اللہ ہی غلط ہوئی'' تو بات کا مزا ہی بدل جاتا ہے۔ کہاوتیں مصرعوں یا شعروں کی شکل میں بھی ہو سکتی ہیں جب کہ محاورے کبھی اس صورت میں نہیں ہوتے۔ ایسے مصرعے یا شعر ضرب الامثال کہلاتے ہیں۔ کہاوتوں اور ضرب الامثال کو متبادل یا ایک ہی چیز تصور کیا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کہاوتیں اپنے لب ولہجہ، انداز فکر و بیان اور مضامین میں عوامی ہوتی ہیں کیونکہ عوام ہی ان کی نمود و پرداخت کے ذمہ دار ہیں۔ بہت سی کہاوتیں دیہاتوں کی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں اور وہیں کی زبان میں ہوتی بھی ہیں۔ گویا کہاوتوں کا تعلق معاشرہ کی کم تعلیم یافتہ آبادی سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہاوتیں دیکھئے ''گھی بنائے سالنا، بڑی بہو کا نام؛ کام کا نہ کاج کا، دُشمن اناج کا؛ ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا، ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ، جاٹ مراتب جانئے جب تیرھویں ہو جائے، بُھس میں ڈال چنگاری جمالو دور کھڑی۔'' صاف ظاہر ہے کہ ایسی کہاوتوں کا خمیر عوام کا مرہون منت ہے۔ وہی ایسی باتیں کر سکتے ہیں اور جن واقعات یا باتوں کی جانب کہاوتوں میں اشارہ ہے وہ انھیں کی زندگی میں پیش بھی آتے ہیں۔

ضرب الامثال اُن فقروں یا جملوں کو کہتے ہیں جو اپنی فطرت میں تو کہاوت ہی ہوتے ہیں لیکن جن کی زبان، لب ولہجہ اور انداز سخن معاشرہ کے نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ طبقہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ بھی انسانی تجربات و مشاہدات پر مبنی ہوتے ہیں اور ایک مدت تک اپنے مخصوص حلقہ میں استعمال ہوتے رہنے کے بعد مثالوں کے طور پر قبول عام حاصل کر لیتے ہیں اور ضرب الامثال کہلاتے ہیں۔ یہ اکثر اپنے لفظی معنی کے بجائے دوسرے مجازی معنی ادا کرتے ہیں۔ ضرب المثل پورا جملہ یا فقرہ ہوتی ہے اور اپنے معنی کی تکمیل کے لئے کسی اور جملے یا فقرے کی محتاج نہیں ہوتی۔ ضرب الامثال اکثر اُردو یا فارسی مصرعوں یا شعر کی شکل میں بھی ہوتی ہیں۔ اُردو میں مستعمل بہت سی فارسی کہاوتیں ضرب الامثال کی تعریف میں ہی آتی ہیں۔ ''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را؛ وزیرے چنیں بادشاہے چناں؛ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا'' ضرب الامثال کی مثالیں ہیں۔

روزمرہ الفاظ اور فقروں کی اُس مخصوص ترتیب کو کہتے ہیں جو اہل زبان اور فصحا نے مخصوص معنی بیان کرنے کے لئے اختیار کر لی ہے۔ ادب و شعر میں روزمرہ کا استعمال فصاحت و بلاغت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ روزمرہ میں الفاظ کی ترتیب بدلی نہیں جا سکتی۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ درجۂ فصاحت سے گر جائے گا اور اپنی معنی بھی کھو بیٹھے گا۔ مثال کے طور پر ''نو دو گیارہ ہونا'' عام طور پر رفوچکر ہونا یا بھاگ کھڑے ہونا کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ روزمرہ ہے اور فصحا اسی طرح بولتے ہیں۔ اگر اس میں الفاظ کی ترتیب بدل کر ''دو نو گیارہ'' کہا جائے یا الفاظ بدل کر ''پانچ سات بارہ'' کہیں تو یہ

روزمرہ بے معنی اور ناقابل قبول ہو جائے گا۔ اسی طرح ''انیس بیس کا فرق ہے'' (یعنی بہت ذرا سا فرق ہے) میں اگر الفاظ بدل کر ''اٹھارہ انیس کا فرق ہے'' یا ''دو تین کا فرق ہے'' کہا جائے تو روزمرہ درجۂ فصاحت سے گر جائے گا اور ناقابل قبول ہو جائے گا۔ روزمرہ کی مثالیں اشعار میں بھی ملتی ہیں، مثلاً ایک شعر ہے ؎

نہ میں سمجھا، نہ آپ آئے کہیں سے　　　پسینہ پوچھئے اپنی جبیں سے

اگر اسی مضمون کو ''اپنی پیشانی سے پسینہ پوچھئے'' کہہ کر ادا کیا جائے تو وہ غلط ہوگا اور روزمرہ میں شمار نہیں ہوگا۔

کہاوتیں اور ضرب الامثال قوم کی تہذیب، ثقافت اور معاشرتی زندگی کی جیتی جاتی تصویریں ہوا کرتی ہیں اور ان کی جڑیں اس کی سماجی، تہذیبی، لسانی، اجتماعی اور انفرادی زندگی میں بہت گہری ہوتی ہیں۔ گویا کہاوتیں اپنی زمین سے براہ راست وابستہ ہوتی ہیں اور اپنے وقت کے مخصوص ماحول، معاشرہ، رہن سہن کے انداز، مقامی بولیوں اور روایتوں وغیرہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہر زبان میں کہاوتیں عوام وخواص کی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور ان میں ملک وملت کی زندگی کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اُردو کی کہاوتیں مختلف حوالوں سے اپنا ایک منفرد اور جامع مقام رکھتی ہیں۔ اگر غور سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے توسط سے ہم اپنی سماجی جڑوں کی بہت سی شاخوں کی شناخت کر سکتے ہیں۔ اکثر ایک کہاوت کے چند الفاظ وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جو سینکڑوں الفاظ سے ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور پھر کہاوت کا لطفِ زبان و بیان اور چٹخارہ الگ رہا۔ جن لوگوں نے اپنے گھر میں بزرگوں کو دیکھا اور باتیں کرتے سنا ہے وہ اِس حقیقت سے بخوبی آشنا ہوں گے۔

اب سے چند سال قبل تک خواتین میں تعلیم کا رواج عام نہیں تھا۔ خاص طور سے گھر کی بزرگ (جنھیں عرف عام میں ''بڑی بوڑھیاں'' کہا جاتا تھا) اکثر بے پڑھی لکھی ہی ہوا کرتی تھیں۔ نہ صرف عورتوں کی تعلیم ہی اس وقت عام نہیں تھی بلکہ ان کا گھروں سے بلاوجہ باہر بے تکلفی سے آنا جانا بھی کم کم ہی تھا۔ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ اب سے ساٹھ ستر سال قبل تک برصغیر ہندوپاک میں کیا ہندو اور کیا مسلمان سب خواتین سلیقہ سے سر اور بدن ڈھک کر گھر سے نکلتی تھیں۔ یہ نیک بیبیاں جب آپس میں مل بیٹھتی تھیں تو مزے مزے کی باتوں سے اپنا اور دوسروں کا دل بہلایا کرتی تھیں۔ ہر محلہ میں ایسی چوپالیں تقریباً روز ہی جمتی تھیں جہاں بڑی بوڑھیاں اور ان کی بہو بیٹیاں اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں وقت گذارتی تھیں۔ عام طور سے اس گپ شپ کے دوران مل جل کر کوئی کام (مثلاً اناج بینا، بَڑیاں بنانا، اچار ڈالنا وغیرہ) بھی ہوتا رہتا تھا۔ یہ بیٹھکیں آج کے اخبار، ریڈیو اور ٹی وی کا کام انجام دیا کرتی تھیں۔ یعنی ان سے دل بہلاوے کا سامان مہیا ہوتا تھا، تیری میری برائی ہوتی تھی، خبر رسانی بھی ہوا کرتی تھی اور محلہ بھر کی افواہیں بھی آناً فاناً دنیا بھر میں مشتہر ہو جاتی تھیں۔ اگر کہاوتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں بے شمار ایسی مثالیں نظر آئیں گی جن کا لب ولہجہ، موضوع اور اندازِ بیان ایسی ہی ہستیوں اور خصوصاً بزرگ خواتین کی زبان،

مخصوص بولی اور اُن کی زندگی کے گونا گوں تجربات کی آئینہ دار ہیں۔

کہاوتیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔ اُردو کی بعض کہاوتیں فارسی اور عربی کہاوتوں کا یا توچربہ ہیں یا ان کا ترجمہ۔ کچھ کہاوتیں اپنی فطرت اور خمیر میں عوامی ہوتی ہیں یعنی ان کا استعمال بازار یا عوام میں تو بلا تکلف ہوتا ہے لیکن وہ مہذب اور ثقہ حلقوں میں قابل استعمال تو کیا لائق اعتنا بھی نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ پہلے زمانے میں مردوں اور عورتوں میں بے تکلف میل جول کا رواج عام نہیں تھا بلکہ اس کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں عموماً گھروں میں ہی رہا کرتی تھیں۔ شادی بیاہ، تہوار اور دوسرے سماجی کاموں کے رسم و رواج انہیں کی عملداری میں ہوا کرتے تھے۔ مردوں کا عمل دخل ان معاملات میں بہت کم تھا۔ اس طرح دراصل عورتوں کا ایک ضمنی یا ذیلی لیکن نہایت اہم معاشرہ عام اور وسیع تر معاشرہ کے اندر پیدا ہو گیا تھا اور عورتوں کے رسم و رواج نے ہی نہیں بلکہ ان کی زبان اور محاوروں نے بھی مختلف سطحوں پر اپنی ایک مخصوص شکل اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ سینکڑوں کہاوتیں ایسی ملتی ہیں جو صرف عورتوں سے ہی مخصوص ہیں اور انہیں کی زبان میں بھی ہیں۔ ان کہاوتوں سے مرد کم و بیش واقف تو تھے لیکن وہ انہیں آپس کی بول چال یا ادب و شعر میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ بہت سی کہاوتیں ایسی بھی ہیں جو دیہاتی زندگی سے وابستہ ہیں اور شہر کے رہنے والے جن سے بہت کم واقف تھے۔ آج کے شہریوں کے لئے تو وہ ایک معمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِس مضمون میں اُردو میں عام طور سے مستعمل کہاوتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ یہاں کہاوتوں کو ان کی مختلف اقسام میں بانٹنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف کہاوت بیان کر کے اس کے مختصر معنی اور محل استعمال لکھ دئے گئے ہیں تاکہ ''سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔''

زیر نظر کتاب میں اور اس موضوع پر دستیاب دوسری کتابوں میں جو فرق ہے اس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ وہ باتیں جو زیر نظر کتاب کو دیگر کتابوں سے ممتاز و ممیز کرتی ہیں درج ذیل ہیں۔

(ا) اس موضوع پر موجود بیشتر کتابوں میں کہاوتیں، محاورے، ضرب الامثال سب شامل کر دئے گئے ہیں۔ ان کو الگ الگ لکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کم کی گئی ہے چنانچہ اکثر مروجہ کتابوں میں سے صرف کہاوتوں کا استخراج آسان نہیں ہے بلکہ کافی وقت اور محنت کا طلبگار ہے۔ یہ کتاب صرف اُردو میں مستعمل کہاوتوں پر ہی مشتمل ہے۔ اس میں محاورے شامل نہیں کئے گئے ہیں۔

(۲) بہت سی کہاوتیں کتابوں میں ایسی زبان میں بیان کی گئی ہیں جو یا تو کسی علاقے سے مخصوص ہے یا اب عام طور پر مستعمل نہیں ہے۔ ایسی کہاوتوں میں اصطلاحات اور الفاظ بھی ایسے ملتے ہیں جن سے عام اُردو داں واقف نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ کہاوتیں اپنی اہمیت کے باوجود بیسود ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ان کو کوئی سمجھتا اور بولتا ہی نہیں ہے تو ان کو کتابوں میں رکھنے سے فائدہ نہیں ہے۔ ایسی کہاوتیں اِس کتاب میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔

(۳) اس کتاب کی ترویج وترتیب میں اس کا دھیان رکھا گیا ہے کہ صرف وہ کہاوتیں شامل کی جائیں جو یا تو ہمارے یہاں اب بھی مستعمل ہیں یا کتابوں میں نظر آجاتی ہیں یا ان کو پڑھ کر عام اُردو داں ان کے مطلب و مقصد تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ان میں سے کچھ ایسی ضرور ہیں جو بیک نظر عام فہم نہیں ہیں لیکن مختصر وضاحت سے عام فہم ہو جاتی ہیں۔

(۴) اُردو زبان واَدب پر فارسی زبان واَدب کا گہرا اثر ہے۔چنانچہ بہت سی ضرب الامثال فارسی مصرعوں اور شعروں کی صورت میں اُردو میں مستعمل رہی ہیں اور اب ہماری کہاوتوں کے خمیر کا حصہ بن چکی ہیں۔ہر چند کہ فارسی کا ذوق اور استعمال اب اُردو اسکولوں اور اہل اُردو میں بہت کم رہ گیا ہے لیکن یہ فارسی ضرب الامثال ہماری کہاوتوں کی تہذیب کا اتنا اہم اور دلچسپ حصہ ہیں کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔چنانچہ چند منتخب فارسی ضرب الامثال بھی کتاب میں شامل کر لی گئی ہیں اور ترجمے کے ساتھ ان کی مناسب وضاحت اور محل استعمال دے دئے گئے ہیں۔

(۵) کہاوت عوامی روایت ہے۔یہ اکثر و بیشتر عوامی ماحول میں ہی پیدا ہوتی ہے اور اسی میں مدتوں استعمال کے بعد نکھار پاتی ہے۔ کچھ کہاوتیں گھروں میں پیدا ہوتی ہیں اور اوسط گھرانہ کی بود و باش اور رہن سہن کی نمائندگی کرتی ہے۔ان میں وہ کہاوتیں بہت نمایاں ہیں جن کی نشو و نما میں عورتوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ کچھ کہاوتیں بازار میں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے جہاں کم تعلیم یافتہ عوام نہ صرف کثیر تعداد میں موجود ہوتے ہیں بلکہ آپس کی بول چال، شور شرابہ، لین دین، لڑائی جھگڑا، گالم گلوج اور تکا فضیحتی میں بھی سرگرم رہتے ہیں۔بازاری کہاوتوں کی زبان بھی بازاری ہوتی ہے اور نازیبا اور فحش بھی ہو سکتی ہے۔ کہاوتوں کی کچھ کتابوں نے اس سلسلہ میں احتیاط نہیں کی ہے اور فحش اور غیر شائستہ کہاوتیں بھی شامل کر لی ہیں۔زیر نظر کتاب میں ایسی تمام کہاوتوں سے مکمل احتراز کیا گیا ہے۔غیر مہذب اور فحش کہاوتوں کی شمولیت سے کتاب کی افادیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادبی اور تہذیبی حیثیت اور معیار و وَقار پر حرف آتا ہے۔

(۶) بعض کہاوتوں کے پس منظر کے طور پر تاریخی واقعات، مذہبی قصے یا فرضی حکایات بیان کی جاتی ہیں جن کی صداقت ثابت و قائم کرنا اب ممکن نہیں رہا ہے۔اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ ایسی روایات و حکایات کی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ کئی کئی شکلیں نظر آجاتی ہیں۔ان سب شکلوں کا لکھنا طوالت کا باعث ہوتا ہے کیونکہ قصے کی ایک ہی شکل پس منظر واضح کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔چنانچہ یہاں ایسے قصوں اور حکایتوں کی صرف ایک ہی شکل اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

اِس کتاب کی تالیف و اشاعت کے متعدد اہم مقاصد ہیں۔ کہاوتوں کا یہ مجموعہ نئی نسل کو اُردو زبان و ادب میں مستعمل کہاوتوں اور ضرب الامثال سے متعارف کرانے میں معاون ہو گا۔اس کوشش کا مقصد ایک طرف اگر نئی نسل

کو اپنی روایات و اقدار اور تیزی سے غائب ہوتی ہوئی کہاوتوں اور ضرب الامثال سے متعارف کرانا ہے تو دوسری جانب ان کہاوتوں کی حفاظت بھی منظور ہے۔ اب ایسے لوگ جو انہیں استعمال کرتے ہیں یا ان سے واقف ہیں روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں اور وہ دن دور نہیں ہے جب یہ کہاوتیں ہماری بہت سی روایات کے ساتھ پرانی کتابوں میں ایک بھولا ہوا قصہ ء پارینہ بن کر رہ جائیں گی اور یہ ہماری زبان اور تہذیب کے لئے نہایت عظیم نقصان ہو گا۔

کہاوتوں کی اس کتاب کے مقاصد مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں:

(۱) اپنے اُس تہذیبی، معاشرتی اور لسانی سرمایہ کی حفاظت جو کہاوتوں کی صورت میں موجود ہے۔

(۲) نئی نسل کو اس ورثہ سے آگاہ کرنا تا کہ وہ اس کی مناسب حفاظت اور استحکام کی جانب توجہ کر سکے۔

(۳) امکانی حد تک اُس قرض کا اعتراف جو کہاوتوں کے سلسلہ میں اُردو پر دوسری زبانوں کا ہے۔ یعنی جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی کہاوت کسی دوسری زبان کے توسط سے آئی ہے اس کی نشاندہی کر دی جائے۔ ممکن ہے کہ مستقبل کا مورخ ان اشاروں کو اپنے کام میں استعمال کر سکے۔

شعر کے پردہ میں حالِ دل کہے جاتا ہوں میں　　راز اہلِ دل سے اب تک یہ عقیدت ہے مجھے

راز چاندپوری)

※※※※※※※

ہماری کہاوتیں

(۱) آ۔ کی کہاوتیں:

(۱) آبنوس کا کندہ : کُندہ یعنی بھاری ٹکڑا۔ آبنوس ایک سخت اور سیاہ قسم کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے سیاہ فام (بالکل کالے) آدمی کو آبنوس کا کُندہ کہتے ہیں۔

(۲) آب آب کر مر گئے، سرہانے دَھرا رہا پانی : اس کہاوت سے ایک کہانی منسوب ہے۔ کوئی شخص ہندوستان سے باہر گیا اور وہاں سے فارسی سیکھ کر واپس آیا۔ اپنی فارسی دانی پر اس کو بہت ناز تھا۔ اتفاق سے وہ بیمار ہو گیا اور طبیعت

بہت خراب ہو گئی۔ وہ پیاس کی شدت میں ''آب آب'' کہہ کر پانی مانگتا رہا لیکن کوئی اس کی بات نہ سمجھ سکا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا حالانکہ پانی اُس کے سرہانے ہی رکھا ہوا تھا۔ اس مناسبت سے گویا کہاوت میں تنبیہہ ہے کہ گفتگو ہمیشہ ایسی زبان میں کرنی چاہئے جس کو لوگ سمجھتے ہوں۔ اپنی قابلیت کے زعم میں ایسی زبان استعمال کرنا سراسر نادانی ہے جس سے لوگ ناواقف ہوں۔

(۳) آبنی سر آپنے، چھوڑ پرائی آس : آبنی سر آپنے یعنی مصیبت اپنے سر پر آ ہی پڑی ہے۔ ایسے میں کسی اور سے اُمید لگانی بیکار ہے۔ جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرنا اور بھگتنا ہے۔

(۴) آ بیل مجھے مار : کسی مصیبت کو جان بوجھ کر اپنے سر پر بلانا ایسا ہی ہے جیسے راہ چلتے بیل کو چھیڑ کر حملہ کی دعوت دی جائے۔ اس حوالے سے یہ کہاوت حماقت یا کم عقلی کا استعارہ ہے۔

(۵) آب آید، تیمم برخواست : پانی اگر مل جائے تو پھر تیمم کرنے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ اجازت۔ گویا اگر کسی رعایت کی وجہ ہی باقی نہ رہے تو پھر وہ رعایت بھی اٹھ جاتی ہے، یا زیادہ اہم چیز مل جائے تو کم اہم چیز کی مانگ اور ضرورت نہیں رہ جاتی۔

(۶) آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے : بڑے کارنامے آبِ زر یعنی سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۷) آپ جانیں اور آپ کا ایمان: یعنی آپ اپنی نیت دیکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کیونکہ نتائج کے بھی آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ اسی کہاوت کی ایک دوسری شکل ہے کہ ''آپ جانیں اور آپ کا کام۔''

(۸) آپ سے آتی ہے تو آنے دو : یہ کہاوت ایسے موقع پر استعمال کی جاتی ہے جب کوئی شخص کسی ناجائز چیز کو اپنے لئے جائز قرار دینے کا حیلہ تلاش کر رہا ہو۔ اس کہاوت سے ایک کہانی منسوب ہے۔ ایک مولوی صاحب کے گھر میں پڑوسی کا مرغ آ گیا۔ ان کی بیوی نے مرغ پکڑ لیا اور ذبح کر کے پکا بھی لیا۔ جب مولوی صاحب شام کو کھانے پر بیٹھے تو مرغ دیکھ کر پوچھا کہ ''یہ کہاں سے آیا؟'' بیوی کے بتانے پر انھوں نے فرمایا کہ ''یہ تو حرام ہے، بھلا میں کسی اور کا مال اس طرح ناجائز طور پر کیسے کھا سکتا ہوں؟'' بیوی نے جواب دیا کہ ''سو تو ٹھیک ہے لیکن سالن تو ہمارے ہی پیسوں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں کیا قباحت ہے؟'' مولوی صاحب کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انھوں نے بیوی سے کہا کہ وہ اُن کو صرف سالن نکال دے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا لیکن احتیاط کے باوجود ایک بوٹی پیالے سے لڑھک کر مولوی صاحب کی پلیٹ میں آ گری۔ بیوی نے اس کو نکالنا چاہا تو مولوی صاحب نے کہا کہ ''نہیں نہیں! جو بوٹی آپ سے آتی ہے اُس کو آنے دو۔'' بیوی نے کہا کہ ''وہ مرغ بھی تو آپ سے ہی ہمارے گھر آ گیا تھا۔'' مولوی صاحب کی نیت تو پہلے ہی ڈانوا

ڈول تھی۔ فوراً بیوی کی بات پر راضی ہوگئے اور دونوں مفت کا مرغ ہضم کر گئے۔

(۹) آپ کھائے، بلّی کو بتائے : کوئی شخص غلط کام تو خود کرے لیکن اپنے آپ کو معصوم ظاہر کرنے کے لئے نام دوسروں کا لے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۱۰) آپ میاں صوبیدار، گھر بیوی جھونکے بھاڑ : یعنی آپ خود تو شان سے بڑے آدمی بنے پھرتے ہیں لیکن بیوی گھر میں خستہ حال ہے۔ جب کوئی شخص شیخی تو بہت بگھارتا ہو لیکن اندر سے کھوکھلا ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۱) آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے : یعنی جو کچھ بھی ہے وہ آپ کی ہی بدولت ہے اور اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ ''جوتیوں کا صدقہ'' سے مراد ہے کہ آپ کے لئے یہ سب کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اس کہاوت سے ایک لطیفہ منسوب ہے۔ ایک شخص نے کچھ دوستوں کی دعوت کی۔ جب سب مہمان دستر خوان پر بیٹھ چکے تو اُس نے نوکر کو الگ لے جا کر حکم دیا کہ سب کے جوتے بازار میں چپکے سے لے جا کر بیچ دے اور اس رقم سے کھانا خرید لائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں کے سامنے جب کھانا آیا تو انھوں نے اُس کی تعریفوں کے پل باندھ دئے۔ وہ شخص ہنستا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ''حضور! بھلا میں کس لائق ہوں۔ یہ سب آپ کی ہی جوتیوں کا صدقہ ہے۔'' جب کھانا ختم ہوا اور مہمان جانے لگے تو انھیں اپنے جوتے غائب ملے۔ اُس ستم ظریف نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ ''بھائی! میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ سب آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔''

(۱۲) آپ ہارے، بہو کو مارے : یعنی اپنی ناکامی میں قصور تو خود اپنا ہے لیکن الزام کسی دوسرے کمزور شخص کو دیا جا رہا ہے۔

(۱۳) آپ کا نوکر ہوں، بینگن کا نہیں : مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دربار کے نورتنوں میں ایک بیربلؔ بھی تھے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک دن بادشاہ کے کھانے میں بینگن آئے۔ ان کو کھا کر شہنشاہ اکبر نے بینگن کی بہت برائی کی کہ ''یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے، نہ صورت اچھی اور نہ ہی مزا۔'' وہ جیسے جیسے بینگن کی برائیاں بیان کرتے جاتے خوشامدی درباری ان کی ہاں میں ہاں ملاتے جاتے تھے۔ ان میں بیربلؔ سب سے پیش پیش تھے کہ ''حضور! بالکل صحیح فرمایا، بینگن سے زیادہ ناکارہ تو کھانے کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔'' اس کے کچھ دن بعد پھر بینگن بادشاہ کے سامنے آئے لیکن اب کی بار اُس نے بینگنوں کی خوبیوں کے پل باندھ دئے۔ بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملانے والوں میں اس بار بھی بیربلؔ سب سے آگے تھے۔ بادشاہ نے اُن سے اِس منافقت کا سبب پوچھا تو بیربلؔ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ ''جہاں پناہ! میں آپ کا نوکر ہوں، کوئی بینگن کا نوکر تھوڑی ہوں۔''

(۱۴) آپ کاج مہا کاج : کاج یعنی کام۔ جو کام خود کیا جائے وہ سب سے اچھا ہوتا ہے۔ دوسرے کے کئے کا اعتبار

نہیں۔

(۱۵) آپ آئے، بھاگ آئے : بھاگ (ہندی : بھاگیہ) آنا یعنی قسمت کھل جانا۔ کسی کی تعریف مقصود ہو تو یہ کہتے ہیں۔

(۱۶) آپ بھلے تو جگ بھلا : ہر آدمی دوسروں کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے۔ اگر کوئی خود اچھا ہے تو اسے ہر شخص بھلا دکھائی دیتا ہے۔

(۱۷) آپ جانیں آپ کا کام : ہر شخص اپنا کام بہتر سمجھتا ہے۔ دوسروں کی جانب سے دخل دَر معقولات کا کوئی جواز نہیں ہے۔

(۱۸) آپ ڈوبے تو ڈوبے دوسرے کو بھی لے ڈوبے : کوئی شخص اپنی بربادی کا سامان خود ہی کرے اور ساتھ ہی کسی اور کو بھی لے ڈوبے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۱۹) آپ سے دور یا آپ کی جان سے دُور : یہ عورتوں کی زبان ہے۔ جب کسی مصیبت کا ذکر ہوتا ہے تو یہ فقرہ کہا جاتا ہے یعنی ''خدا نہ کرے کہ ایسا برا وقت آپ پر آئے۔''

(۲۰) آپ کا گھر ہے : استقبالیہ فقرہ ہے یعنی یہ خانۂ بے تکلف ہے۔

(۲۱) آٹے میں نمک کے برابر : آٹے میں نمک کا مزا بالکل ہی نہیں ہوتا۔ اسی حوالے سے اگر کوئی خصوصیت کسی چیز میں برائے نام ہو تو اس کو ''آٹے میں نمک کے برابر'' کہتے ہیں۔

(۲۲) آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا : حقیقت حال معلوم ہونا۔ سر پر سے کسی کا سایۂ فیض اٹھ جانے کے بعد صحیح حالات معلوم ہونے کی وعید دی جائے تب بھی یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۳) آٹے کا چراغ، گھر میں رکھوں تو چوہا کھائے باہر رکھوں تو کوّا لے جائے: اگر گندھے ہوئے آٹے کا دِیا (چراغ) بنایا جائے تو اس کی طرف سے فکر رہتی ہے کہ گھر میں چوہے کھا جائیں گے اور باہر کوّا اٹھا کر لے جائے گا۔ اسی مناسبت سے اگر کسی چیز پر سب کی ہی بری نظر ہو اور اس کی حفاظت مشکل ہو جائے تو یہ کہاوت کہتے ہیں۔

(۲۴) آٹے کے ساتھ گھن بھی پستا ہے : گُھن ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو گیہوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر آٹا پیسا جائے تو ساتھ ہی گھن بھی پس جائے گا۔ اس حوالے سے مطلب یہ ہوا کہ بڑے آدمی کا نقصان ہو تو اس کے ساتھ چھوٹا بھی نقصان اٹھاتا ہے۔

(۲۵) آٹھوں گانٹھ کُمیت : چالاک اور دنیا ساز آدمی کے لئے کہا جاتا ہے۔ کہاوت کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی

کہ آٹھوں گانٹھ کمیت کس رعایت سے کہا گیا ہے۔

(۲۶) آج کے تُھپے آج ہی نہیں جلتے : یہاں گوبر کے تُھپے ہوئے اُپلوں کی جانب اشارہ ہے کہ تازہ اُپلے جلائے نہیں جاسکتے۔ انہیں سُکھانا ضروری ہے۔ یعنی ہر کام میں صبر ضروری ہے، ہوتے ہوتے ہی کام ہوتا ہے۔

(۲۷) آج مرے کل دوسرا دن : دنیا عموماً کسی شخص کو اُس کی زندگی میں ہی یاد کرتی ہے۔ مرنے کے بعد شاذ ونادر ہی کوئی اُسے یاد کرتا ہے۔ کسی کے مرجانے سے دنیا کا کوئی کام نہیں رکتا چنانچہ کوئی وفات پاجائے تو کل کا دِن عام دنوں کی طرح ہی ایک دن ہوگا۔

(۲۸) آج وہ کل ہماری باری ہے : یعنی موت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ یہ ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے:

موت سے کس کو رُستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

(۲۹) آدھی روٹی، ڈیڑھ پاشکر: کلو گرام سے پہلے تولنے کے لئے برصغیر ہندوپاک میں سیر استعمال ہوتا تھا۔ ایک کلو میں دو سیر سے ذرا سا زیادہ وزن ہوتا ہے اور ایک سیر کے چار پاؤ ہوتے تھے۔ پا اِسی کا مخفف ہے۔ ڈیڑھ پا یعنی ڈیڑھ پاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ تماشا تو دیکھو کہ آدھی روٹی کھانے میں ڈیڑھ پاؤ شکر استعمال ہو رہی ہے یعنی اصل چیز تو اتنی کم ہے لیکن اس پر اوپری خرچ اس قدر زیادہ کیا جا رہا ہے۔

(۳۰) آدھی کو چھوڑ ساری کو جائے، آدھی رہے نہ پوری پائے : جو تھوڑے پر صبر و شکر نہیں کرتا اور ہوس میں زیادہ کی طرف دوڑتا ہے وہ اکثر نہ صرف یہ کہ زیادہ نہیں پاتا بلکہ اپنے پاس سے بھی کھو بیٹھتا ہے۔

(۳۱) آدمی جانے بسے سے، سونا جانے کسے سے : بسے سے یعنی قریب رہ کر، کسے سے یعنی کسوٹی پر کس کے۔ کسوٹی ایک طرح کا پتھر ہوتا ہے جس پر سونا گھسا جاتا ہے اور اُس نشان کی تیزی سے سونے میں ملاوٹ کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی کے ساتھ رہا نہ جائے اس کی اصلیت اور خصلت کا پتا نہیں چلتا جیسے بغیر کسوٹی پر کسے سونا نہیں پرکھا جاسکتا۔

(۳۲) آدھے سیر کے برتن مین سیر نہیں سماتا : کلو گرام سے پہلے تولنے کے لئے سیر استعمال ہوتا تھا جو تقریباً آدھے کلو گرام کے برابر ہوا کرتا تھا۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ کم اہل آدمی سے بڑے کام کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔

(۳۳) آدمی کا شیطان آدمی ہے : کوئی شخص اپنی بری عادات لے کر پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسرے آدمیوں کی صحبت میں ہی خراب ہوتا ہے۔

(۳۴) آدھی کو چھوڑ ساری کو جائے، آدھی ملے نہ ساری پائے : یہ کہاوت لالچ کی اُس صورت کے حوالے

سے ہے جہاں زیادہ فائدہ کے لالچ میں انسان کم فائدہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگتا اور وہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

(۳۵) آدھا تیتر، آدھا بٹیر : یعنی ڈانواڈول، غیر معتبر، ایسا شخص جو کبھی ایک رنگ میں نظر آتا ہو اور کبھی دوسرے میں۔

(۳۶) آدمی آدمی انتر، کوئی ہیرا کوئی کنکر : انتر یعنی فرق۔ ہر شخص ایک سا نہیں ہوتا ہے۔ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ کوئی ہیرے کی طرح بے بہا اور بلند مرتبہ ہوتا ہے اور کوئی کنکر کی طرح بے وقعت اور گرا پڑا۔

(۳۷) آدمی کیا جو آدمی نہ پہچانے : دانشمند وہی ہے جو آدمی آدمی میں تمیز کر سکے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۸) آر یا پار : اپنے مقصد میں یا تو کامیابی ہو گی یا ناکام رہیں گے، بہر کیف اِدھر یا اُدھر آج فیصلہ ہو جائے گا۔

(۳۹) آڑے وقت کا گہنا ہے : آڑے وقت (یعنی سخت وقت) میں آدمی گھر کا گہنا (زیور) وغیرہ بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لاچاری کے عالم میں جو چیز کام آسکے اس کو ''آڑے وقت کا گہنا'' کہتے ہیں۔

(۴۰) آسمانی گولا: گولا جیسے توپ کا گولا، آسمانی گولا یعنی آسمانی یا غیبی مصیبت، ناگہانی مشکل۔

(۴۱) آسمان کا تھوکا اپنے منھ پر ہی آتا ہے : یعنی بزرگوں کی برائی کرنے کا خراب نتیجہ برائی کرنے والے کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی آسمان پر نفرت سے تھوکے تو اس کا تھوک لازماً خود اسی کے منھ پر آ کر گرے گا۔ کہاوت میں آسمان کی جگہ چاند بھی کہا جاتا ہے۔

(۴۲) آستین کا سانپ ہونا : یہ قرین قیاس نہیں کہ کوئی اپنی آستین کے اندر زہریلا سانپ پال سکتا ہے۔ لیکن کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ اگر آستین میں پالا ہوا سانپ اپنے مالک اور محسن کو ڈس لے تو یہ محسن کشی ہوئی۔ چنانچہ ایسا شخص جو کسی دوسرے کے احسانات سے دبا ہوا ہو اور اپنے محسن کے ساتھ بد دیانتی یا ظلم کرے ''آستین کا سانپ'' کہلائے گا۔

(۴۳) آس پاس برسے، دلّی پڑے ترسے: دلّی ملک کا دار الخلافہ ہونے کی حیثیت سے یہاں استعارہ ہے اہم کام یا عزیز و اقارب کا۔ مطلب یہ ہے کہ ایرے غیرے تو فیض اٹھا رہے ہیں لیکن اپنے ترس رہے ہیں۔ اسی معنی کو اہم کام پر بھی منطبق کر سکتے ہیں۔

(۴۴) آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا : کوئی چیز اگر آسمان سے گرے اور کھجور کے درخت میں اٹک جائے تو وہ ہماری دسترس سے بدستور دور ہی رہتی ہے۔ ایک مشکل سے نکل کر کسی دوسری مشکل میں کوئی آدمی یا کوئی کام پھنس

جائے تو اس کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے اور ایسے ہی موقع پر یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۵) آفت کا پر کالہ: یعنی شریر، شوخ یا فتنہ پرداز آدمی، ایسا شخص جو نچلا نہ بیٹھتا ہو۔

(۴۶) آگ اور پھوس کی کیا دوستی : آگ اور پھوس ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ آگ پھوس کو جلا دیتی ہے سو ان کی دوستی کا کیا سوال۔ اسی طرح دو متضاد مزاج کے آدمی بھی مل جل کر گزر نہیں کر سکتے۔

(۴۷) آگ لگے تو بجھے جل سے، جل میں لگے تو بجھے کیسے : پانی میں اگر آگ لگ جائے تو اس کو بجھانا کارے دارد۔ یعنی جب مسئلہ کا حل یا بہتری کی صورت ہی ہاتھ سے نکل جائے تو مسئلہ کا علاج کیسے ہو سکتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۴۹) آگ کے مول: یعنی نہایت مہنگا۔

(۵۰) آگے پڑے کو شیر بھی نہیں کھاتا: شیر گرے پڑے مُردہ جانور کے بجائے خود شکار کرنا پسند کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاجزی کرنے سے ظالم دشمن بھی در گزر کر دیتا ہے۔

(۵۱) آگ لگے پر کنواں کھود رہے ہیں :یعنی مصیبت جب سر پر آ کھڑی ہوئی تو نجات کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آگ لگ جانے کے بعد کنواں کھودنا شروع کرے کہ پانی نکلے گا تو آگ بجھا دی جائے گی۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۵۲) آگ کھائے انگارے اُگلے : جس کی تربیت اور صحبت خراب ہو گی اس کی عادات اور خصلت بھی ویسی ہی ہو جائیں گی۔ اچھی طبیعت اچھی تربیت و صحبت اور بری طبیعت بری تربیت و صحبت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

(۵۳) آگے جاتے گھٹنے ٹوٹیں، پیچھے دیکھتے آنکھیں پھوٹیں : کہاوت کا مطلب ہے کہ ہر طرح نقصان ہی نقصان ہے، نہ آگے کی جانب بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے واپس جا سکتے ہیں۔

(۵۴) آم کے آم، گُٹھلیوں کے دام : کوئی آم کھائے اور پھر گٹھلیاں بھی اچھے داموں بک جائیں تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے؟ یہ کہاوت تب استعمال ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی چیز سے مستفید ہو لے اور پھر اسی چیز کے کسی کمتر پہلو کے طفیل مزید فائدہ اٹھائے۔

(۵۵) آمدن بہ اِرادت، رفتن بہ اِجازت: یعنی کسی کا پاس جانا اپنی مرضی اور ارادے سے ہوتا ہے لیکن اس سے رخصت ہونا میزبان کی اجازت پر منحصر ہوتا ہے۔

(۵۶) آم کھانے سے کام ہیں نہ کہ پیڑ گننے سے : آم کھانے والے کو آموں سے مطلب ہونا چاہئے نہ کہ اس سے کہ آم کے پیڑ باغ میں کتنے ہیں۔ اسی طرح دانش مند آدمی کو فضولیات چھوڑ کر اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔

(۵۷) آنتیں گلے پڑ گئیں : یعنی بہت مشکل میں گرفتار ہوگئے۔ بڑی آزمائش درپیش ہے۔

(۵۸) آنکھ کے اندھے، نام نین سُکھ : نین سکھ یعنی جس کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دعویٰ تو بہت کچھ ہے لیکن اصلیت کچھ اَور ہی کہتی ہے۔ اسے ''ڈھول میں پول'' بھی کہتے ہیں۔

(۵۹) آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا : یعنی ایسا آدمی جس کو سامنے کی بات نظر نہ آئے اور وہ جانتے بوجھتے نقصان اٹھانے میں کوئی قباحت محسوس نہ کرے۔ یہاں گانٹھ سے مراد لباس یا چادر کے پلّو میں بندھی وہ پوٹلی نما گرہ ہے جس میں لوگ روپے پیسے باندھ لیتے ہیں۔ گانٹھ کا پورا یعنی اُس کے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں ہے اور آنکھ کا اندھا سے مراد ہے کہ عقل کی کمی ضرور ہے۔

(۶۰) آنکھوں کے ناخن لو : ناخن لینا یعنی ناخن کترنا۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ سمجھ داری سے کام لو، دانشمندانہ نظر پیدا کرو۔

(۶۱) آنے پائی سے بیباق کر دیا: پرانے وقتوں میں ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے تھے اور ایک آنے میں چار پیسے۔ اسی طرح ایک پیسے میں تین پائیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہاں آنے پائی سے ایک ایک پیسا مراد ہے گویا سارا پیسہ ادا کر دیا اور قرض چکا دیا۔

(۶۲) آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند؛ وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور وہ ساقی بھی نہیں رہا۔ یعنی اب وہ پچھلا وقت باقی نہیں رہا اور زمانہ بدل کر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

(۶۳) آنکھوں کا کاجل چرا لیتا ہے : نہایت شاطر اور چالاک ہے، اپنا کام ایسی صفائی سے کر جاتا ہے کہ گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۶۴) آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں : یعنی بے حد بھوک لگ رہی ہے۔ قل ھو اللہ پڑھنا یہاں روزمرہ کا استعمال ہے۔ اگر قل ھو اللہ کی جگہ کسی اور سورۃ یا آیۃ کا نام لیا جائے تو غلط ہوگا اور بات نہیں بنے گی۔

(۶۵) آنکھوں دیکھے مکّھی نہیں نگلی جاتی : محاورہ میں ''مکھی نگلنا'' کسی مکروہ کام یا بات کو طوعاً و کرہاً قبول کر لینے کو کہتے ہیں۔ آنکھوں دیکھی یعنی سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غلط چیز صاف نظر آ رہی ہے تو سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہوئے اُس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ دودھ میں مکھی پڑی ہوئی نظر آ جائے اور ہم اس کو دیکھنے کے بعد بھی نگل جائیں۔

(۶۶) آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں : یہ کہاوت ایک کہانی سے ماخوذ ہے۔ ایک شہزادہ کے جسم میں جادو کی بے شمار چبھو دی گئیں اور وہ ان کے اثر سے بے ہوش ہو گیا۔ اس کو جگانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ جسم کی ساری سوئیاں

نکال لی جائیں۔ اتفاق سے ایک شہزادی کا گزر وہاں سے ہوا اور وہ شہزادہ کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئی۔ شہزادے کو جگانے کے لئے شہزادی نے اُس کے جسم سے سوئیاں نکالنی شروع کیں۔ ہر روز وہ کچھ سوئیاں نکال دیتی یہاں تک کہ صرف آنکھوں کی سوئیاں رہ گئیں۔ اس دن شہزادی کو کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑا تو اس کی خادمہ نے موقع دیکھ کر شہزادے کی آنکھوں کی سوئیاں نکال دیں۔ شہزادہ پر سے جادو کا اثر زائل ہو گیا اور وہ جاگ گیا۔ خادمہ کو دیکھ کر وہ سمجھا کہ یہ احسان اسی نے کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے خوش ہو کر خادمہ سے شادی کر لی۔ جب شہزادی واپس آئی تو وہ سر پیٹ کر رہ گئی۔ کہانی کے آخر میں شہزادہ کو اصل صورت حال معلوم ہو جاتی ہے اور وہ شہزادی سے شادی کر کے اسے اپنی ملکہ بنا لیتا ہے اور خادمہ کو سزا ملتی ہے۔ اسی حوالہ سے یہ کہاوت ایسے موقع پر استعمال ہوتی ہے جب کسی کام کے پورے ہونے میں ذرہ بھر ہی کسر رہ جائے۔

(۶۷) آنا نہ پائی، نری پاؤں گھسائی : پہلے زمانے میں ایک روپیہ میں سولہ آنے ہوتے تھے، ایک آنے میں چار پیسے اور ایک پیسے میں تین پائی۔ اس طرح پائی ایک نہایت کم قیمت سکہ ہوا۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ یہ ایسا کام ہے جس میں دوڑ دھوپ بہت ہے لیکن بالکل بے کار و بیسود کیونکہ اس میں کچھ ملنا ملانا نہیں ہے۔

(۶۸) آندھی کے آم : آندھی میں درخت سے پکے ہوئے جو آم گر جائیں وہ ہر آنے جانے والے کے لئے مفت کی ضیافت ہیں۔ چنانچہ مفت کی چیز کو آندھی کے آم کہا جاتا ہے۔

(۶۹) آنکھ اوٹ پہاڑ اوٹ : اگر کوئی نظروں سے کچھ دنوں کے لئے غائب ہو جائے تو لوگ اس کو بہت جلد ایسے بھول جاتے ہیں جیسے وہ کسی پہاڑ کے پیچھے جا کر چھپ گیا ہو۔ اسے ''آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل'' بھی کہتے ہیں۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۷۰) آنکھیں ہو گئیں اوٹ، دل میں آئی کھوٹ : کوئی شخص تھوڑی سی دیر کے لئے بھی نظروں سے غائب ہو جائے تو اس کے مال کی جانب لوگ بری نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں کہ کسی طرح اس پر قبضہ کر لیا جائے۔

(۷۱) آنکھ کے آگے ناک، سوجھے کیا خاک: یعنی آنکھوں پر تو پردہ پڑا ہوا ہے، پھر نظر کیسے آ سکتا ہے؟ ایک لطیفہ اس کہاوت سے منسوب ہے۔ ایک نکٹے نے لوگوں کے طعنوں سے عاجز ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ اس کو اللہ نظر آتا ہے۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ ''ہمیں کیوں نظر نہیں آتا؟'' تو اس نے جواباً کہا کہ ''تمھاری آنکھوں کے آگے ناک کی آڑ لگی ہوئی ہے جو اللہ کو دیکھنے کی راہ میں حائل ہے۔'' کچھ بے وقوف لوگوں نے اس کی باتوں میں آ کر اپنی ناک کٹوا لی لیکن اللہ پھر بھی نظر نہیں آیا۔ نکٹے نے ان سے کہا کہ ''بہتر یہ ہے کہ تم بھی میری ہاں میں ہاں ملاؤ ورنہ دُنیا تمھاری حماقت پر ہنسے گی۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند اور لوگوں نے ناکیں کٹوا لیں۔

(۷۲) آنکھ او جھل پہاڑ او جھل : اگر کوئی شخص کچھ دنوں کے لئے نظر نہ آئے تو لوگ اس کو بھول جاتے ہیں جیسے وہ کسی پہاڑ کی اوٹ میں جا بیٹھا ہے۔

(۷۳) آنکھ بچی مال دوستوں کا : دوسروں کے مال پر نیت خراب کرنے پر کہا جاتا ہے یعنی اِدھر مالک کی نگاہ چوکی اور اُدھر لوگ مال لُوٹ کر چل دئے۔

(۷۴) آنکھوں کی برائی بُھوں کے آگے : آنکھ اور بُھوں کا بہت قریبی ساتھ ہے۔ایک دوست کی برائی دوسرے دوست سے کرنا گویا آنکھ کی برائی بھوں کے آگے کرنے کے مترادف ہے۔

(۷۵) آنکھوں کا پانی مر گیا ہے: بے شرم یا بے حیا ہو گیا ہے۔ کسی کی شرم نہیں رہ گئی۔

(۷۶) آنکھوں دیکھا نہ کانوں سنا :ایسی انہونی بات جو اس سے پہلے کسی نے نہ تو دیکھی ہو اور نہ ہی سنی ہو۔

(۷۷) آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی : ٹھیکری یعنی ٹوٹے گھڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا جو ہلکا بھی ہوتا ہے اور چپٹا بھی۔ مطلب یہ ہے کہ مسئلہ سے جان بوجھ کر انجان بن گئے ہیں یا بے غیرتی اختیار کر لی۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۷۸) آوے کا آوا خراب ہے : اینٹیں جب بھٹے میں جلائی جاتی ہیں تو ان کی کھیپ یا گھان کو آوا کہتے ہیں۔ آوے میں اچھی بری سبھی طرح کی اینٹیں تیار ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ آوے کی ساری اینٹیں خراب نکل جاتی ہیں۔اسی مناسبت سے اگر آدمیوں کا کوئی گروہ یا پورا خاندان بد قمار اور خراب اشخاص پر مشتمل ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۷۹) آئینہ میں اپنا منھ تو دیکھو :یعنی تم اس کے مستحق نہیں ہو، نااہل ہو۔

(۸۰) آئی تھی آگ کو، رہ گئی رات کو : اس کہاوت میں ایک بداطوار عورت کا بیان ہے جو ہمسایہ کے یہاں آگ لینے گئی اور پھر رات وہیں رُک گئی۔اس حوالے سے یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب کوئی شخص کسی اچھے کام کی نیت ظاہر کرے لیکن پھر موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے مفاد کا کوئی دوسرا نامناسب اور گھٹیا کام کر گزرے۔

(۸۱) آئی تو روزی، نہیں تو روزہ : یعنی شدید غربت ہے۔ کسی دن کچھ کما لیا تو روٹی کا سہارا ہو گیا ورنہ فاقہ ہی کرنا ہو گا۔

(۸۲) آئی گئی میرے ہی سر : آئی گئی یعنی ہر مصیبت یا الزام۔ گویا ہم ایسے بد قسمت ہیں کہ سارا الزام ہمارے ہی سر آتا ہے۔

(۸۳) آئے کی خوشی نہ گئے کا غم : بے نیازی کے اظہار کے لئے کہتے ہیں یعنی اگر کوئی ملنے آجائے تو اُس کی آمد سے خوشی نہیں ہوتی اور اگر کوئی چلا جائے تو اس کی جدائی کا غم نہیں ہوتا۔

(۲) الف۔ کی کہاوتیں:

(۱) اب سے دُور : یہ عورتوں کی زبان ہے۔اگر کسی مصیبت کا ذکر مطلوب ہو جو کسی عزیز پر گزر چکی ہو تو کہتے ہیں کہ ''اب سے دور جب تمھارے ساتھ ایسا ہوا تھا۔'' اس میں یہ دعا بھی مخفی ہے کہ اَللہ نہ کرے کہ پھر تم ایسی مشکل سے دوچار ہو۔

(۲) اب کھائی تو کھائی،اب کھاؤں تو رام دُہائی : یہ عورتوں کی زبان ہے۔رام دہائی یعنی خدا کی پناہ۔اگر کسی کام کا انجام برا ہو تو اس کو دوبارہ کرنا حماقت ہے۔چنانچہ اگر کسی معاملہ میں نقصان اٹھانا پڑے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے کہ ایسا کام دوبارہ نہیں کروں گا۔

(۳) اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت : یہ عوامی کہاوت ہے۔جب کام خراب ہو جائے تو اُس پر کفِ افسوس ملنے سے کیا حاصل؟ بہتری کی صورت تو اوّل وقت ہی اختیار کرنی چاہئے تھی۔یہی اس کہاوت میں کہا گیا ہے کہ جب چڑیاں سارا کھیت کھا کر چوپٹ کر چکیں تو اب افسوس سے کیا ملے گا؟ مناسب تدبیر کرنے کا وقت تو چڑیوں کے آنے سے قبل تھا۔ایسے ہی معنی میں ایک اور کہاوت ہے کہ ''سانپ تو گذر گیا اب لکیر کیا پیٹنا؟''

(۴) ابھی دلّی دور ہے : یعنی ابھی منزل مقصود بہت دور ہے، کامیابی کی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔اس کہاوت کے پس منظر میں یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ بادشاہ دہلی غیاث الدین تغلق کو حضرت نظام الدین اولیاء سے بغض تھا ۔جب وہ بنگال کی مہم سے واپس آ رہا تھا تو اس نے ایک قاصد کے ذریعہ حضرت نظام الدین کو یہ پیام بھیجا کہ وہ بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے شہر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔حضرت موصوف نے فرمایا کہ ''بابا! ہنوز دلی دُور است''۔یعنی ابھی کیا جلدی ہے، پہلے دہلی پہنچ لے پھر دیکھا جائے گا کہ اللہ کا کیا حکم ہے۔شومیٔ قسمت سے بادشاہ راستہ ہی میں محل کی ایک دیوار سے دب کر مر گیا اور اسے دہلی دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

(۵) ابھی منھ کی دال نہیں جھڑی : یعنی ابھی بچپن یا ناتجربہ کاری کا زمانہ ہے۔چڑیا کا بچہ جب انڈے سے نکلتا ہے تو اس کی چونچ کی دونوں جانب ایک سفید یا ہلکا پیلا داغ ہوتا ہے جس کو دال کہتے ہیں۔عمر کے ساتھ یہ داغ مٹ جاتا ہے۔اس کو دال کا جھڑنا کہتے ہیں۔

(٦) اب ستونتی بنے،لُوٹ کھایا سنسار : ستونتی یعنی نیک اور وفا شعار۔کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کھسوٹ چکے

اور پھر نیکی اور دیانت داری کا دعویٰ کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۷) ابر کو دیکھ کر گھڑے پھوڑدئے : یعنی بادل دیکھ کر اس اُمید پر گھڑے توڑدئے کہ اب تو پانی مل ہی جائے گا، گھڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ ایک موہوم اُمید پر اپنے وسائل کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

(۸) ابھی مونڈے مانڈے سامنے آئے جاتے ہیں : ایک شخص بال کٹوانے کے لئے حجام کے سامنے بیٹھا اور اس سے پوچھا کہ ''میرے سر پر کتنے بال ہیں؟'' حجام نے مسکرا کر جواب دیا کہ ''ججمان جی! گھبراتے کیوں ہو۔ابھی مونڈے مانڈے سامنے آئے جاتے ہیں۔'' کوئی شخص اپنے کاموں کے انجام سے باخبر نہ ہو تو تنبیہ کے طور پر یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۹) ابھی دودھ کے دانت نہیں ٹوٹے : بچوں کے دودھ کے دانت ان کی کم عمری اور ناتجربہ کاری کی نشانی ہیں۔ یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے کہی جاتی ہے جو اپنے تجربوں میں ناپختہ اور غیر آزمودہ ہو۔

(۱۰) اپنا رکھ، پرا یا چکھ : اپنا مال بچابچا کر رکھ اور دوسرے کی پونجی طرح طرح سے خرچ کر۔یہ بھی دُنیا کا ایک دستور ہے۔

(۱۱) اپنے ہی تن کا پھوڑا ستاتا ہے :اپنا یا اپنے عزیزوں کا دُکھ ہی زیادہ تکلیف دیتا ہے۔غیروں کا دُکھ کم ہوتا ہے۔

(۱۲) اپنی پیٹھ اپنے تئیں دکھائی نہیں دیتی ہے : یعنی جس طرح اپنی پیٹھ کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا اُسی طرح اپنے عیب بھی اُسے نظر نہیں آتے۔

(۱۳) اپنا ہاتھ جگنا تھ : جو کام خود کر لیا جائے وہی سب سے اچھا ہوتا ہے۔دوسروں پر بھروسہ کرنے میں مشکل پیش آسکتی ہے اور اکثر آتی بھی ہے۔''آپ کاج، مہا کاج'' کا بھی یہی مطلب ہے۔

(۱۴) اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دِکھتا، دوسروں کی آنکھ کا تنکا دکھائی دے جاتا ہے : شہتیر یعنی درخت کا کٹا ہوا تنا۔مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی چھوٹی موٹی غلطیاں تو بہت آسانی سے دکھائی دے جاتی ہیں لیکن اپنی بڑی سے بڑی غلطی نظر نہیں آتی۔

(۱۵) اپنے منھ میاں مٹّھو بننا : یعنی خودستائی، اپنے منھ سے اپنی تعریف کرنا۔خود کو بڑھا چڑھا کر بتانا۔برخود غلط ہونا۔

(۱۶) اپنا مارے گا تو پھر چھاؤں میں بٹھائے گا : چھاؤں یعنی سایہ۔اگر کوئی اپنا خفا ہو تو اس کے دل میں قربت کی وجہ سے پھر بھی تھوڑی بہت ہمدردی ہوتی ہے جب کہ غیر سے ایسی اُمید نہیں ہوتی۔

(۱۷) اپنا سکّہ کھوٹا تو پرکھنے والے کو کیا دوش: اگر کوئی شخص کھوٹے سکّے کو لینے سے انکار کردے تو اُس کا

کوئی قصور نہیں۔ اسی طرح اگر اپنا موقف کمزور ہو یا اپنا آدمی ناکارہ تو اُسے مسترد کرنے پر دُنیا کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۸) اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ: یعنی من مانی کرنا۔ ڈفلی ایسی چھوٹی ڈھولکی کو کہتے ہیں جس پر ایک ہی طرف کھال چڑھی ہوتی ہے۔ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب ہر شخص اپنی اپنی کہہ رہا ہو اور کوئی کسی کی سننے کو تیار نہ ہو۔

(۱۹) اپنی داڑھی سب پہلے بُجھاتے ہیں: اپنی فکر آدمی پہلے کرتا ہے اور اس کے بعد ہی کسی اور کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ کہاوت اسی حقیقت کو ایک دلچسپ مثال سے واضح کر رہی ہے کہ اگر کئی اشخاص کی داڑھیوں میں ایک ساتھ آگ لگ جائے تو ہر ایک اپنی داڑھی کی فکر پہلے کرے گا۔

(۲۰) اپنی گانٹھ نہ ہو پیسا تو پرایا آسرا کیسا: یعنی اگر آدمی میں خود کوئی اہلیت نہیں ہے تو وہ دوسروں پر کیسے بھروسا کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ اپنے ہاتھ خالی ہوں اور دوسروں کے بل بوتے پر کام کی اُمید کی جائے۔

(۲۱) اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی: یعنی اپنی رائے کی پچ میں دوسروں کو مطلق نظر انداز کر دیا اور اپنے طور پر ہی کام کیا۔ اس صورت حال سے آپس میں نفاق و افتراق بڑھنے کا بہت امکان ہوتا ہے لہٰذا اس سے پرہیز بہتر ہے۔

(۲۲) اپنی گئی کا دُکھ نہیں، جیٹھ کی رَہی کا دُکھ ہے: یہ کہاوت ایسے شخص کے بارے میں کہی جاتی ہے جس کو اپنے نقصان کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی اس کی کہ دوسروں کا نقصان کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ ایک کہانی اس کہاوت سے منسوب ہے۔ ایک عورت کی گائے کھو گئی۔ اڑوس پڑوس کے لوگ جب اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے تو وہ کہتی کہ میری گئی سو گئی لیکن میرے جیٹھ کی تو ایک بھی نہ کھوئی۔ گویا جیٹھ کا نقصان اپنی گائے کی واپسی سے زیادہ اس کے لئے اطمینان اور سکون کا سامان پیدا کرتا۔

(۲۳) اپنی موت اپنے ہاتھوں بلائی: یعنی اپنا نقصان آپ ہی کیا۔ اسی معنی میں ''اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار لی'' بھی کہتے ہیں۔

(۲۴) اپنے گھر میں کُتا بھی شیر ہوتا ہے: اپنے دوستوں اور حامیوں کی پشت پناہی حاصل ہو تو کمزور شخص بھی خود کو مضبوط اور طاقت ور محسوس کرتا ہے اور ایسا ہی ظاہر بھی کرتا ہے۔

(۲۵) اپنی عزت اپنے ہاتھ: آدمی کو خود اپنی عزت کا خیال رکھنا چاہئے اور دوسروں سے توقع نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اس کی عزت کا پاس کریں گے۔ وہ ایسی بات کیوں کرے کہ لوگوں میں بے عزتی کا باعث ہو۔

(۲۶) اپنا اُلو سیدھا کیا: یعنی اپنا مطلب نکال لیا اور دوسرے کے نفع نقصان کی فکر نہ کی۔

(۲۷) اپنی ٹانگ کھولئے، آپ ہی لاجوں مریے: راز کی باتیں خود ہی عام کر دی جائیں تو شرم بھی خود ہی

اُٹھانی پڑتی ہے۔ نہ کسی کو دَرونِ خانہ راز بتائے جائیں اور نہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲۸) اپنے حلوے مانڈے سے کام: حلوہ مانڈہ یعنی کھانا پینا، فائدہ۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ہمیں تو بس اپنا فائدہ دیکھنا ہے۔ یہاں خود غرضی کی جانب اشارہ کرکے انداز بیان سے کہاوت اس عادت کی مذمت کر رہی ہے۔

(۲۹) اپنے مرے کو سب سائے میں رکھتے ہیں: جس طرح اپنے گھر کی میت کو ہر شخص سائے میں رکھتا ہے اسی طرح اپنوں کی حمایت اور مدد بھی ایک فطری بات ہے۔ کہاوت اسی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۳۰) اپنا بل اپنا بل، پرا یا بل پاپ، نہ پھل: یعنی اپنے بل بوتے پر کیا گیا کام سب سے اچھا ہوتا ہے۔ دوسروں کے بل پر جو کام کیا جائے اس میں خرابی ہی خرابی ہوتی ہے، اچھائی کوئی نہیں ہوتی۔

(۳۱) اپنا دھن اپنا دھن، پرایا دھن پاپ، نہ پُن: اپنی دولت یا طاقت کے صحیح استعمال میں فائدہ ہی فائدہ ہے جب کہ دوسرے کے بل بوتے پر کچھ کرنا پاپ (عذاب) کا موجب تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے پُن (نیکی) کی توقع نہیں کرنی چاہیئے۔

(۳۲) اپنا پیٹ کتا بھی پال لیتا ہے: اوچھے سے اوچھا آدمی بھی کسی نہ کسی طرح کام چلا ہی لیتا ہے۔ کہاوت میں اشارہ یہ ہے کہ کام جو بھی کیا جائے وہ نیک نامی کا ہونا چاہیئے۔

(۳۳) اپنی دہی کو کون کھٹا کہتا ہے: حلوائی کبھی اپنی دہی کو کھٹا نہیں بتاتا اور نہ اس سے کون دہی خریدے گا؟ فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ آدمی اپنی چیز کی برائی نہیں کرتا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۴) اپنی نیند سوتے ہیں، اپنی نیند جاگتے ہیں: یہ فقرہ بے فکری اور بے اعتنائی کے اظہار کے لئے بولتے ہیں۔ یعنی ہم کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔

(۳۵) اتنی گرمی کہ چیل انڈا چھوڑ رہی ہے: یہ کہاوت بھی گرمی کی شدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چیل اگر انڈے پر بیٹھی ہو تو آسانی سے اُسے چھوڑ کر نہیں جاتی۔ گرمی کی بے تحاشہ شدت کی تصویر کشی کرنی ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں یعنی چیل کو اپنے آنے والے بچوں کی بھی پروا نہیں اور اُسے سایے کی تلاش ہے۔

(۳۶) اِتنے کی بُڑھیا بھی نہیں جتنے کا لہنگا پھٹ گیا: یعنی بُڑھیا کا لہنگا بُڑھیا سے زیادہ مہنگا اور دل پسند تھا۔ اگر کسی کام میں اصل رقم سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑ جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۷) اُتّم سے اُتّم ملے اور ملے نیچ سے نیچ: اُتّم یعنی اعلیٰ۔ شرفا شریف لوگوں کی صحبت تلاش کرتے ہیں اور ذلیل اپنے ہی جیسے لوگوں میں خوش رہتے ہیں۔ اسی معنی کو ایک شعر یوں بیان کرتا ہے:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　کبوتر با کبوتر، باز با باز

(ہم جنس پرندے ایک دوسرے کے ساتھ اُڑتے ہیں، کبوتر، کبوتروں کے ساتھ اور باز دُوسرے بازوں کے ہمراہ)

(۳۸) اتنی سی جان، گز بھر کی زبان : کوئی شخص عمر یا رتبہ میں کم ہو لیکن بد زبان ہو تو اُس کے لئے یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۹) اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ جانا: یہ پرانے زمانے کی عورتوں کی کہاوت ہے۔اس کا مطلب ذرا سی بات پر رُوٹھ کر چارپائی پکڑ لینا ہے۔ عورتیں اپنی بات منوانے کی ضد میں منھ لپیٹ کر چارپائی پر خاموش پڑ رہتی ہیں اور جب تک بات پوری نہ ہو ضد پر اڑی رہتی ہیں۔اس کو ''اَن سَٹ پاٹی لے کر پڑ جانا'' بھی کہتے ہیں۔اٹواٹی کھٹواٹی یعنی چھوٹی چارپائی۔اِس طرز بیان میں طنز اور حقارت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

(۴۰) اُٹھتے جوتی، بیٹھتے لات : اٹھتے بیٹھتے یعنی ہر وقت۔ جوتی اور لات بے عزتی کا استعارہ ہیں۔ گویا کہاوت کا مطلب ہے کسی کے ساتھ ہر وقت بے عزتی کا سلوک کرنا۔

(۴۱) اُٹھاؤ چولھے ہونا : ایسا چولھا جس کو اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھا جا سکے ''اُٹھاؤ چولھا'' کہلاتا ہے مثلاً انگیٹھی۔ کہاوت سے مراد ایسا آدمی ہے جس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہ ہو یا جو ذرا سی بات پر اپنا موقف بدل دے یعنی ناقابل اعتبار۔

(۴۲) اُجڑے گاؤں سے ناتا کیا : یعنی جب کسی کو چھوڑ دیا تو پھر اس سے کوئی تعلق رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟

(۴۳) اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں : اچھے لوگوں کی اولاد بھی اچھی ہوتی ہے یعنی صحبت اور تربیت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

(۴۴) اُدھار کھائے بیٹھے ہیں :دل میں کسی کے دُشمن ہیں، کسی کا برا چاہتے ہیں۔

(۴۵) اِدھر یا اُدھر : یعنی کسی نہ کسی طرف ایک فیصلہ ہو جائے۔ کوئی لگی نہ رہ جائے۔

(۴۶) اَدَھر میں چھوڑ گیا :اَدَھر یعنی آدھے راستے یا بیچوں بیچ۔اَدَھر میں چھوڑ گیا یعنی ایسی حالت میں چھوڑ گیا کہ نہ اِدھر کے رہے اور نہ اُدھر کے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۴۷) اِدھر کُنواں، اُدھر کھائی : کوئی شخص دو مصیبتوں کے درمیان پھنس جائے اور جائے مفر نہ ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۴۸) اُدھار محبت کی قینچی ہے : کسی سے قرض لینا آپس کی محبت کے لئے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ گویا قرض ایسی قینچی ہے جو باہمی تعلقات کو بہ آسانی کاٹ سکتی ہے۔'' قرض مقراض محبت ہے'' بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔

(۴۹) ازاربندی رشتہ : یعنی سُسر الی رشتہ۔ازاربندی عوامی استعارہ ہے

(۵۰) اُڑتی چڑیا پہچانتے ہیں : یہ فقرہ بہت چالاک شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ یہ اتنے تیز ہیں کہ اُڑتی چڑیا کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ چڑیا ہے یا چڑا۔

(۵۱) اُڑتی چڑیا کے پر گنتے ہیں: یہ کہاوت بھی انھیں معنوں میں کہی جاتی ہے جن میں ''اُڑتی چڑیا پہچانتے ہیں'' مستعمل ہے۔

(۵۲) اڑھائی ہاتھ کی ککڑی اور نو ہاتھ کا بیج : یعنی ماں سے کہیں زیادہ تیز و طرّار اُس کا بچہ نکلا۔ گویا یہاں بیج سے مراد بچہ ہے اور ککڑی سے اس کی ماں۔

(۵۳) اُڑ کے منھ میں کھیل نہیں گئی : کھیل یعنی مکا کا بھنا ہوا دانا جو پھول کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تک کچھ بھی نہیں کھایا اور مکمل فاقہ سے ہیں۔

(۵۴) اِسے چُھپاؤ، اُسے دِکھاؤ : یعنی دو شخص اتنے ہم شکل ہیں کہ ایک کو چُھپا کر اُس کی جگہ دوسرے کو دِکھا دیا جائے تو لوگ تمیز نہیں کر سکتے۔

(۵۵) اِس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے : کسی بات یا کام کا صلہ فوراً ہی مل جائے تو یہ کہاوت استعمال ہوتی ہے۔ یہ نظیؔر اکبر آبادی کے ایک شعر کے دوسرے مصرع کا ایک ٹکڑا ہے:

(۵۶) اَسّی برس کی عمر، نام میاں معصوم : اتنی عمر آ گئی لیکن اب تک بچے ہی بنے ہوئے ہیں۔

(۵۷) اس برتے پر تتا پانی : اتنی کم حیثیت اور باتیں اتنی بڑی بڑی؟ اسے ''کس برتے پر تتّا پانی'' بھی کہتے ہیں۔

(۵۸) اُس کی جوتی، اُسی کا سر :یعنی غلط کام کرنے والے نے جو گستاخی یا توہین آمیز بات کی تھی وہ لوٹ کر اسی کے منھ پر ماردی گئی۔ اس طرح وہ جوتا جو اُس نے کسی کی بے عزتی کی نیت سے اُٹھایا تھا خود اسی کے سر پر پڑ کر اس کی بے عزتی کا سبب بن گیا۔

(۵۹) اُستاد بیٹھے پاس، کام آئے راس : کسی علم میں بھی بغیر قابل اور ماہر فن استاد کے مہارت اور کمال حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۶۰) استنجے کا ڈھیلا ہیں : کسی کی برائی مقصود ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں، یعنی نہایت بے وقعت اور بے ذوق ہیں۔ سنجیدہ اور ثقہ حلقوں میں اس کے استعمال سے پرہیز کیا جاتا ہے گویا خالص عوامی کہاوت ہے۔

(۶۱) اشرفیاں بانٹیں اور کوئلہ پر مہر لگائیں : پرانے زمانے میں سونے کا ایک سکہ اَشرفی کہلاتا تھا۔ کسی چیز پر مہر لگانے سے مراد اُس کو ایسا سر بمہر کر دینا ہے کہ اُس تک آسانی سے ہر ایک کی رسائی ممکن نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی قیمتی چیزوں کی قدر نہ کرے اور فضولیات پر بہت وقت اور پیسہ صرف کرے تو کہتے ہیں کہ ''اشرفیاں بانٹی جارہی ہیں اور کوئلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔''

(۶۲) اصل سے جفا نہیں، کم اصل سے وفا نہیں : اصل یعنی نیک، بااصول شخص۔ ایسے شخص سے زیادتی یا اس کی حق تلفی بری بات ہے جب کہ بے اصول اور بدخو آدمی سے اچھا سلوک کرنے سے قبل آگے پیچھے کی سوچ لینا بہتر ہے۔

(۶۳) اطلس میں مونجھ کا بخیہ : اطلس ایک قسم کا بہت قیمتی کپڑا ہوتا ہے جب کہ ناریل کی مونجھ بہت موٹی اور گھٹیا ہوتی ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے بے جوڑ یا نامناسب بات۔ اس معنی میں ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند'' بھی کہتے ہیں۔

(۶۴) اکیلا گھر شیطان کا گھر: خالی گھر کی ویرانی سے دل ہراساں ہوتا ہے جیسے اس پر شیطان قابض ہو گیا ہو۔

(۶۵) اَکل کھُرّا : خودغرض اور انتہائی بے مروت شخص کو کہتے ہیں۔

(۶۶) اکیلا ہنستا بھلا، نہ روتا : تنہا آدمی کسی حال میں بھی اچھا نہیں لگتا، نہ تو وہ ہنستا ہی بھلا لگتا ہے اور نہ روتا۔

(۶۶) اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا : چنے، مکا وغیرہ بھوننے والے کو بھڑ بھونجا کہتے ہیں کیونکہ جس چولھے میں وہ چنے بھونتا ہے وہ بھاڑ کہلاتا ہے۔ بھاڑ ایک زمین دوز چولھا ہوتا ہے جس میں بہت سی ریت گرم کی جاتی ہے۔ اِس گرم ریت کو کچے چنوں پر ڈال کر ان کو بھونا جاتا ہے۔ بیک وقت بہت بڑی مقدار میں چنے نہیں بھونے جاسکتے کیونکہ ریت کی گرمی ان کے لئے ناکافی ہو سکتی ہے۔ بھاڑ کی اس ناکامی کو اس کا پھوٹنا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی چنے سے بھاڑ نہیں پھوٹ سکتا۔ اسی پر قیاس کیجئے کہ بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ ایک شخص کے بس کی بات نہیں ہوتے اور کئی اشخاص کی اجتماعی کوشش سے ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ کہاوت ایسے ہی کام اور موقع کے لئے مستعمل ہے۔

(۶۷) اَگاڑی تمھاری، پچھاڑی ہماری : یعنی اگلا حصہ تمھارا اور پچھلا ہمارا۔ اس کہاوت سے ایک کہانی منسوب ہے۔ دو بھائیوں نے مل کر ایک بھینس خریدی۔ بڑا بھائی بہت چالاک اور فریبی تھا جب کہ چھوٹا سادہ لوح اور بھولا بھالا تھا۔ بڑے بھائی نے کہا کہ ''کیوں نہ بھینس کی خدمت ہم دونوں برابر برابر بانٹ لیں۔ تم اس کا اگلا حصہ لے لو اور میں پچھلا لئے لیتا ہوں۔'' چھوٹا بھائی راضی ہو گیا۔ چنانچہ وہ بھینس کو چارہ دینے لگا اور بڑا بھائی اُس کے فضلے کی صفائی کے علاوہ اُس کا دودھ بھی ہڑپ کرنے لگا۔ یہ کہاوت ایسی تجاویز پر بولی جاتی ہے۔

(۶۸) اگلا گرا، پچھلا ہوشیار : قطار میں چلتے ہوئے آدمیوں میں سے اگر آگے چلتا ہوا شخص ٹھوکر کھا کر گر پڑے تو اس کے پیچھے آنے والوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے، گویا دوسروں کے تجربے سے فائدہ اٹھانا دانشمندی کی نشانی ہے۔

(۶۹) اُلٹے بانس بریلی کو : ہندوستان میں بریلی شہر بانس کی تجارت کی منڈی ہے۔ اگر کوئی شخص بانس برائے فروخت بریلی بھیجے تو یہ حماقت ہو گی کیونکہ وہاں تو اس کی کمی نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی جگہ وہ چیز بھیجے جس کی وہاں افراط ہے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۷۰) اللہ دے اور بندہ لے : یعنی ہر طرح سے اللہ کی نعمتوں کی ایسی بہتات ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی ہے۔

(۷۱) اللہ ہی اللہ ہے : یعنی کچھ نہیں ہے، بس اللہ کا نام رہ گیا ہے۔

(۷۲) اللہ کا نام ہے : یہ کہاوت بھی اسی معنی میں بولی جاتی ہے جس میں ''اللہ ہی اللہ ہے''، مستعمل ہے۔

(۷۳) الخاموشی نیم رضا: بات کے جواب میں خاموشی کا مطلب نیم رضامندی ہوتا ہے۔ اگر بات پسند نہ ہو تو اِنسان جواباً کچھ ضرور کہتا ہے۔

(۷۴) اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے : غلطی کرنے والا اگر اپنی غلطی پکڑنے والے کو ہی الزام دینے لگے اور اس کے پیچھے پڑ جائے تو یہ مضحکہ خیز بات ہوئی۔ ایسے ہی موقع پر یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۷۵) الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں: یعنی بہت ظلم کرتے ہیں۔ اس کو ''کُند چھری سے حلال کرنا'' بھی کہتے ہیں۔

(۷۶) الف کے نام بے نہیں جانتے : جاہل مطلق کے لئے کہا جاتا ہے کہ ا لف بے کی بھی تمیز نہیں ہے۔

(۷۷) الف کے نام لٹھ ہیں : یہ کہاوت بھی جاہل مطلق کے لئے کہی جاتی ہے۔ ا لف اور لٹھ کی ظاہری مشابہت کی وجہ سے شاید یہاں لٹھ استعمال کیا گیا ہے۔

(۷۸) اللہ اللہ خیر سلّا : یعنی چلئے خیر سے کام مکمل ہو گیا۔

(۷۹) اللہ میاں کی گائے : گائے اپنی فطرت میں ً حلیم اور سیدھی ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ سے رحم و کرم وابستہ ہے اس لئے اللہ میاں کی گائے ایسی گائے ہو گی جو سیدھے پن اور بردباری میں سب پر سبقت لے گئی ہو۔ چنانچہ یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتی ہے جو نہایت شریف، سیدھا سادا اور حلیم الطبع ہو۔

(۸۰) اُلو کا پٹّھا : یعنی حد سے زیادہ احمق آدمی۔ پٹھا یعنی بیٹا، گویا وہ خاندانی احمق ہے۔

(۸۱) اُلو کی دُم فاختہ : یہ فقرہ بھی احمق مطلق کے لئے بولا جاتا ہے۔ اُلو اور فاختہ کی دُم کی مطابقت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

(۸۲) اللہ نے پانچ انگلیاں برابر نہیں رکھیں : جس طرح اللہ کی بنائی ہوئی پانچ انگلیاں ایک سی نہیں ہیں اسی طرح

انسان بھی الگ فطرت اور خصلت لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۸۳) اللہ کو دیکھا نہیں، عقل سے تو پہچانا ہے : اَللہ کو کسی نے نہیں دیکھا ہے لیکن اس کی قدرت چاروں جانب ایسی ظاہر ہے کہ اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسی مناسبت سے اگر کسی بات کا کوئی عینی شاہد تو نہ ہو لیکن تمام دیگر شواہد ایک ہی جانب اشارہ کر رہے ہوں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۸۴) امیر کی دائی سیکھی سکھائی: دائی یعنی ملازمہ۔ یہاں یہ کمتری کا استعارہ ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ امیر آدمی کا نوکر بھی چالاک ہوتا ہے۔

(۸۵) ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے : ان کی دُنیا ہی انوکھی ہے گویا یہ سب سے الگ اور منفرد ہیں۔

(۸۶) اندھا اندھے کو راہ دکھا رہا ہے : ایک اندھا دوسرے اندھے کو بھلا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ ایک کم علم یا جاہل دوسرے کم علم یا جاہل کو کچھ سکھا نہیں سکتا۔ نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ سمجھ سکتا ہے۔

(۸۷) اِن کا آپس میں قارورہ ملتا ہے : حکیم تشخیصِ مرض کے لئے مریض کے قارورہ (پیشاب) کا معائنہ کرتے ہیں۔ دو آدمیوں کا قارورہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی آپس میں سازباز ہے یا یہ ایک سی طبیعت اور فطرت کے مالک ہیں۔

(۸۸) انگلی کٹوا کر شہیدوں میں داخل : یعنی چھوٹا سا کام کر کے بڑے لوگوں کی فہرست میں نام لکھوانے کی کوشش۔ اس کو ''لہو لگا کر شہیدوں میں داخل: بھی کہتے ہیں۔ محل استعمال کہاوت سے ظاہر ہے۔

(۸۹) اندھے کے کندھے لنگڑا چڑھا، بن گیا دونوں کا کام : مل جل کر عقل مندی سے کیا جائے تو کم اہل آدمیوں کے لئے بھی مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ کہاوت یوں واضح کرتی ہے کہ ایک گاؤں میں آگ لگ گئی اور لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دو آدمی پیچھے رہ گئے۔ ان میں ایک لنگڑا تھا جو بھاگ نہیں سکتا تھا اور دوسرا اندھا جس کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسی مصیبت کے وقت لنگڑا آدمی اندھے کے کندھے پر بیٹھ گیا اور اُسے راستہ بتا کر خطرہ سے نکال لایا اور اس طرح دونوں کی جان بچ گئی۔

(۹۰) اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں : ہر اندھے آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس کے بھی آنکھیں ہوتیں۔ اسی مناسبت سے کسی شخص کی من مانی مراد پوری ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں ،یعنی سب کچھ تو مل گیا، اب اَور کیا چاہئے۔

(۹۱) اندھیر نگری، چوپٹ راجا، ٹکے سیر بھاجی، ٹکے سیر کھاجا :یعنی ایسی جگہ جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو یا ایسی

حکومت جہاں ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہو، حاکم وقت نااہل اور کارندے نالائق ہوں۔ یہ فقرہ ایک لوک کہانی سے لیا گیا ہے۔ ایک گرو اپنے چیلے کے ساتھ سفر کو نکلے تو ان کا گزر ایک ایسی بستی سے ہوا جس کا نام اندھیر نگری تھا اور جہاں کا حاکم چوپٹ راجاؔ کہلاتا تھا۔ اندھیر نگری کے بازاروں میں چھوٹی بڑی ہر چیز بھاجی (ترکاری) سے لے کر کھاجا (اعلیٰ قسم کی ایک مٹھائی) تک ایک ٹکے (نہایت چھوٹا سکّہ) میں ایک سیر (تقریباً آدھا کلو گرام) ملتی تھی۔ چیزوں کی ایسی ارزانی دیکھ کر چیلے کا جی للچا گیا اور اس نے گرو جی کے سمجھانے کے باوجود وہیں ٹھہر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جلد ہی وہ کھا پی کر موٹا تازہ ہو گیا۔ ایک دن وہ بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک دوکان کی دیوار اچانک کسی طرح گر گئی اور ایک راہ گیر دب کر مر گیا۔ چوپٹؔ راجا کو خبر ہوئی تو اس نے اُس راج کی پھانسی کا حکم دے دیا جس نے دیوار بنائی تھی۔ راج نے ہاتھ جوڑ کر کہا ’’مہاراج، قصور میرا نہیں اِس بھشتی کا ہے جس نے گارے میں پانی زیادہ ڈال کر اس کو کمزور کر دیا تھا۔‘‘ راجا کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اس نے راج کے بجائے بھشتی کی پھانسی کا حکم صادر کر دیا۔ اتفاق سے بھشتی بہت دُبلا پتلا تھا۔ اس نے عرض کی کہ ’’حضور میری گردن اتنی پتلی ہے کہ پھندا اُس کے لئے بہت بڑا ہو گا۔ بھلا مجھ کو پھانسی دینے سے کیا ملے گا۔ پھانسی تو کسی موٹے آدمی کو ملنی چاہئے۔‘‘ راجا چوپٹؔ نے فوراً کسی موٹے آدمی کی تلاش کا حکم دے دیا۔ اتفاق سے شہر میں وہی چیلہ سب سے زیادہ موٹا تھا چنانچہ اسے پکڑ کر پھانسی کے تختے کی طرف لایا گیا۔ یہ دیکھ کر گرو جی نے کوتوال سے کہا کہ ’’میرے چیلے کے بجائے مجھے پھانسی دے دو۔ میری گردن بھی موٹی ہے۔‘‘ کوتوال نے حیرت سے پوچھا ’’گرو جی! بھلا آپ کیوں پھانسی چڑھنا چاہتے ہیں۔‘‘ گرو جی نے کہا ’’بیٹا! آج کا دن اتنا مبارک ہے کہ جو پھانسی چڑھے گا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔‘‘ یہ سن کر کوتوال کہنے لگا کہ ’’یہ بات ہے تو پھر میں ہی کیوں نہ جنت میں جاؤں۔ پھانسی مجھ کو دی جائے گی۔‘‘ راجا کا وزیر وہیں کھڑا تھا۔ اُس نے یہ سُن کر کہا کہ ’’یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھانسی میں چڑھوں گا۔‘‘ چوپٹؔ راجا صاحب نے یہ سب دیکھا تو غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ ’’میرے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ جنت میں پہلے داخل ہو جائے۔ پھانسی پر میں خود چڑھوں گا۔‘‘ چنانچہ چوپٹؔ راجہ کو پھانسی دے دی گئی۔ گرو جی نے اس چال سے اپنے چیلے کی جان بچا لی اور اس کو سمجھایا کہ ’’بیٹا اندھیر نگری رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔‘‘ چنانچہ دونوں وہاں سے کہیں اور چلے گئے۔

(۹۲) انسان کی قدر مرنے کے بعد معلوم ہوتی ہے : کہاوت کا مطلب اور محل استعمال ظاہر ہیں۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے   یاد آوے گی تجھے میری وفا میرے بعد

(۹۳) اندھا ہاتھی اپنی فوج کو ہی مارے : جس طرح اندھے جنگی ہاتھی کو دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوتی ہے اس

طرح نادان آدمی سے اپنوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اس کو بھی تمیز کم ہوتی ہے۔

(۹۴) اندھا امام، ٹوٹی مسیت : مسیت عوامی زبان میں مسجد کو کہتے ہیں۔ آدمی کی جیسی حیثیت ہوتی ہے ویسا ہی مقام اس کو ملتا ہے جیسے اندھے امام کو ٹوٹی مسجد دے دی جاتی ہے کیونکہ اس کو مسجد کی حالت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے۔

(۹۵) اندھے کے ہاتھ بٹیر آنا : بٹیر فاختہ کے برابر ایک پرندہ ہے جس کو پکڑنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ اگر کسی نااہل شخص کو اتفاقاً کوئی غیر متوقع فائدہ پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ اندھے کے ہاتھ بٹیر آ گئی۔

(۹۶) اندھا بانٹے ریوڑیاں، اپنوں اپنوں کو دے :اندھا آدمی صرف اپنے قریب کے لوگوں کو ہی پہچانتا ہے چنانچہ اگر وہ ریوڑیاں بانٹے گا تو اپنوں کو ہی دے گا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی انعام یا احسان کو اپنے دوستوں اور عزیزوں تک ہی محدود رکھے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۹۷) اندھوں میں کانا راجا : کم اہلوں کے بیچ اگر کوئی شخص ایسا آ جائے جو تھوڑی بہت قابلیت رکھتا ہو تو وہ ایسا ہی ہو گا جیسے اندھوں کے ملک میں کوئی کانا آدمی راجا بن جائے کہ کم سے کم وہ دیکھ تو سکتا ہے۔ یہ کہاوت ایسے ہی وقت استعمال ہوتی ہے۔

(۹۸) اِن تِلوں تیل نہیں ہے : اگر تل خراب ہوں تو کولہو میں پیل کر ان سے تیل نہیں نکالا جا سکتا۔ یہ کہاوت ایسے انسان پر صادق آتی ہے جو ناکارہ ہو۔

(۹۹) اُنیس بیس کا فرق ہونا : یعنی دو چیزوں میں بہت ہی کم فرق ہونا۔

(۱۰۰) انگور کھٹے ہیں : یہ کہاوت ایک لوک کہانی سے لی گئی ہے۔ ایک لومڑی نے انگور کی بیل پر انگور دیکھے تو ان کو کھانے کے لالچ میں اس نے چاہا کہ کسی طرح ان تک پہنچ جائے۔ بہت کودی اور اُچھلی لیکن انگوروں تک نہ پہنچ سکی۔ جب ہر طرح سے کوشش کر کے ہار گئی تو کھسیانی ہو کر بولی کہ ''اونھ! یہ انگور تو یوں بھی کھٹے ہیں۔ ان کو کیا کھاؤں۔'' چنانچہ اگر کوئی چیز کسی شخص کو ہزار کوشش پر بھی نہ مل سکے اور وہ اس میں اپنے نفس کی تسکین کے لئے کوئی فرضی برائی ڈھونڈ نکالے تو اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱۰۱) اندھے کی لکڑی ہے: یعنی اکلوتا اور فرمانبردار بیٹا۔ جس طرح اندھے کے لئے اس کی لاٹھی یا لکڑی کار آمد ہوتی ہے اسی طرح فرمانبردار بیٹا والدین کے لئے نعمت ہے۔

(۱۰۲) اندھوں نے ہاتھی کو چھوا، سب نے الگ الگ دیکھا : قصہ مشہور ہے کہ چار اندھوں نے پوچھا کہ '' ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔'' ان کو ایک ہاتھی کے پاس کھڑا کر دیا گیا۔ ایک نے سونڈ چھوئی اور کہا کہ ''ہاتھی تو ایک موٹے سانپ کی طرح ہوتا ہے''۔ دوسرے نے اس کے دانت چھو کر اس کو سخت اور خطرناک بھالے کی طرح بتایا۔ تیسرے

نے ہاتھی کے پیروں پر ہاتھ پھیرے اور اس کو ستون کی شکل کا سمجھا جب کہ چوتھے نے اُس کا بدن چھوا اور کہا کہ ''ہاتھی تو ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے۔'' ہاتھی پوری طرح کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا۔ یہی حال ایسے لوگوں کا ہے جو مسئلہ کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے بلکہ اس کے کسی حصے کو ہی پورا مسئلہ سمجھ کر اس پر خیال آرائی کیا کرتے ہیں۔

(۱۰۳) انسان اَن کا کیڑا ہے : اَن یعنی اناج۔ اَناج کے کیڑے کی طرح انسان بھی بغیر اناج کے زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۱۰۴) اندھے کے آگے روئے، اپنے بھی نین کھوئے : اندھے کے آگے دُکھڑا رونے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس میں اپنی ہی آنکھوں کا نقصان ہے۔ گویا جو شخص آپ کے مسائل سے بیگانہ ہو اس سے شکایت کرنا بیکار ہے۔

(۱۰۵) اندر کی سانس اندر، باہر کی سانس باہر : شدید خوف وہراس یا حیرت میں انسان ہکا بکا کھڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے گویا سانس تک لینا بھول جاتا ہے۔ ایسے وقت یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۰۶) اندھا گائے، بہرا بجائے : اگر اندھے گانے والے کی سنگت کوئی بہرا کر رہا ہو تو اندھا یہ نہ سمجھ سکے گا کہ ساز کس رُخ پر جا رہا ہے اور بہرے کو صحیح سنگت کے لئے گانا نہیں سنائی دے گا۔ لہٰذہ دونوں کا گانا بجانا بے سود ہوگا۔ اگر دو آدمی مل کر ایسا کام کرنا چاہیں جس میں وہ ایک دوسرے کی صلاحیت سے ناواقف ہوں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے

(۱۰۷) اندھے کو دن رات برابر ہے : اندھے آدمی کو دن اور رات کی تمیز نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح کم عقل آدمی کے لئے بھی اچھی بری بات ایک سی ہوتی ہے۔

(۱۰۸) انگلی پکڑ کر پُہنچا پکڑ لیا : پہنچا یعنی کلائی۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا سی رعایت کا ملنا تھا کہ زیادہ کی جانب لپک پڑے۔

(۱۰۹) اوچھے کے گھر کھانا، جنم جنم کا طعنہ : کم ظرف میزبان کے گھر دعوت کھانا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ وہ ہر موقع پر اپنا احسان جتانے سے نہیں چوکے گا اور طعنے الگ دے گا۔

(۱۱۰) اونٹ سستا ہے، پٹا مہنگا ہے : اگر کوئی چیز خود تو سستی ہو لیکن اس کے لوازمات مہنگے ہوں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اگر کسی اچھی چیز کے ساتھ کوئی کم درجہ چیز بھی لینی پڑ جائے تب بھی کہاوت استعمال ہوتی ہے۔ کہاوت کا پس منظر ایک کہانی ہے۔ ایک شخص کا اونٹ بھاگ گیا۔ جب وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو گیا تو اس نے غصہ میں قسم کھالی کہ ''اگر اونٹ مل گیا تو کم بخت کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا اور اسے پانچ روپے میں فروخت کر دوں گا۔'' اتفاق سے دوسرے ہی دن اونٹ مل گیا۔ اس کے دل میں لالچ آئی کہ کسی طرح قسم بھی پوری ہو جائے اور اونٹ بھی بچ جائے۔ اس نے اونٹ کے گلے میں ایک خوبصورت پٹا ڈال دیا اور بازار میں لوگوں کو بتایا کہ ''اونٹ کی قیمت پانچ روپے

ہی ہے لیکن پٹا پانچ سو روپے کا ہے۔'' کوئی شخص اس قیمت پر یہ سودا کرنے کو تیار نہیں ہوا اور اس طرح اس کا اونٹ بچ گیا۔

(۱۱۱) اونٹ چڑھے پر کتا کاٹے : یعنی مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو کسی نہ کسی صورت آ ہی جاتی ہے۔اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اونٹ پر بیٹھنے کے بعد بھی کتا کاٹ کھائے۔

(۱۱۲) اوس سے پیاس نہیں بجھتی : یعنی چیز بہت کم ہو تو کام نہیں چلتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۱۳) اَوّل خویش، بعدہٗ دَرویش : سب سے پہلے خود، پھر اس کے بعد فقیر یعنی سب سے اہم خود اپنی ذات ہے، دوسرے اس کے بعد آتے ہیں۔اسی معنی میں ''خیرات اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے'' بھی بولتے ہیں۔

(۱۱۴) اوکھلی میں سر دیا تو موسل کا کیا ڈر : پہلے زمانہ میں ہر گھر میں موسل اور اوکھلی مسالہ، تل وغیرہ کوٹنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے اپنا سر اوکھلی میں ڈال دے (یعنی کوئی مصیبت اپنے سر خود ہی بلائے) تو پھر اُس کو موسل (یعنی اپنی غلطی کے فطری انجام) کا ڈر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ تو پیش آ کر ہی رہے گا۔

(۱۱۵) اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ :اگر کوئی شخص اونگھ رہا ہو اور اس کو ٹھیل دیا جائے یعنی ہلکا سا دھکا دے دیا جائے تو لیٹ کر سونے میں اُسے ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ گویا ٹھیلنا اس کے لئے سونے کا بہانہ بن جاتا ہے اور وہ دھکا دینے والے کو اپنی سستی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔یہی حال ایسے شخص کا ہے جو کسی کام میں طرح طرح سے آنا کانی کر رہا ہو اور اُس کو ٹالنے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہو۔

(۱۱۶) اوچھے کو پدوی ملے، ٹیڑھو ٹیڑھو جائے : یہ سنت کبیرؔ کے ایک ہندی دوہے کا مصرع ہے۔اوچھے یعنی کم ظرف۔ہندی میں پدوی، خطاب، عہدہ یا گدّی کو کہتے ہیں۔ٹیڑھو یعنی ٹیڑھا۔ کہاوت کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کسی کم ظرف آدمی کو کوئی عہدہ یا اعلیٰ مقام مل جائے تو اس کا دماغ خراب ہوتے دیر نہیں لگتی اور وہ اپنی نئی عزت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۱۷) اونٹ کی داڑھ میں زیرہ : زیرہ کا دانہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اگر وہ اونٹ کے منھ میں ہو تو اونٹ کو اس کا احساس بھی نہیں ہوگا۔لہٰذہ کسی کے سامنے کوئی کھانے کی چیز نہایت قلیل مقدار میں رکھی جائے تو کہیں گے کہ ''یہ تو ایسا ہے جیسے اونٹ کی داڑھ میں زیرہ۔''

(۱۱۸) اونٹ رے اونٹ، تیری کون سی کل سیدھی؟ :اونٹ بہت ٹیڑھا میڑھا اور بھونڈا جانور ہے۔ لفظ کل یوں تو مشین یا اس کے پرزہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد اُونٹ کے جسم کا عضو ہے۔اگر کسی شخص کی ہر بات ہی بے سر پیر کی ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے یعنی کبھی تو کوئی تُک کی بات کر لیا کرو۔

(۱۱۹) اونچی دو کان، پھیکا پکوان : کسی کا نام بہت بڑا ہو لیکن کام بہت معمولی تو یہ کہاوت بولتے ہیں یعنی نام تو بہت سن رکھا تھا لیکن اصلیت کچھ بھی نہ نکلی۔ اسی معنی میں یہ شعر بھی مستعمل ہے:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

(۱۲۰) اوچھے کے گھر تیتر، باہر باندھوں کہ بھیتر : کم ظرف آدمی کو ذرا سی دولت یا نام و نمود مل جائے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کس طرح سے اسے دُنیا پر ظاہر کرے جیسے کسی اوچھے کے ہاتھ ایک تیتر آجائے اور وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ اس کو گھر کے باہر نمائش کے لئے رکھوں یا گھر کے اندر۔

(۱۲۱) اوروں کی تجھ کو کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو : نبیڑنا یعنی بھگتنا یا حل نکالنا۔ دوسروں کے مسائل میں خواہ مخواہ الجھنا دانشمندی کی نشانی نہیں ہے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی پہلے اپنے مسائل حل کر لے۔

(۱۲۲) ایک آم کی دو پھانکیں ہیں : یعنی بالکل ہم شکل و ہم طبع ہیں جیسے آم کی دو قاشیں ہوتی ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱۲۳) ایک سے دو بھلے اور دو سے بہتر چار : ہر کام میں ایک سے دو رائے بہتر ہوتی ہیں اور اگر مزید مل جائیں تو وہ اور بھی اچھی بات ہے۔

(۱۲۴) ایک حمام میں سب ننگے : یعنی سبھی ایک سی حالت میں ہیں۔ کوئی کسی سے بہتر نہیں ہے۔ جب آدمیوں کا پورا گروہ کسی جرم یا غلط کام میں ملوث ہو اور کسی کا ہاتھ برائی سے صاف نہ ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۲۵) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی ہے : جس طرح تالی کے لئے دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں اسی طرح جھگڑے فساد کے لئے بھی دو فریقوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص سارا الزام دوسرے فریق پر رکھے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۲۶) ایک جان دو قالب ہیں : آپس میں بہت محبت ہے۔ ایسا ساتھ ہے جیسے جسم و جان میں ہوا کرتا ہے۔

(۱۲۷) اینٹ سے اینٹ بجادی : بالکل تباہ و برباد کر دیا، تہس نہس کر دیا۔

(۱۲۸) ایرا غیرا، نتھو خیرا : یعنی بلا تمیز و امتیاز ہر شخص۔ اَیرا غیرا یعنی غیر شخص۔ ایرا غیرا میں تحقیر کا پہلو ہے۔ نتھو اور خیرا مخفف ہیں بالترتیب ہندو اور مسلم ناموں کے۔ ان سے مراد ہے ہر شخص۔

(۱۲۹) ایسے غائب جیسے گدھے کے سر سے سینگ : گدھے کے سینگ نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص اچھا خاصہ بیٹھے بٹھائے غائب ہو جائے یا وقتِ ضرورت نظر ہی نہ آئے تو کہتے ہیں کہ وہ تو ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

(۱۳۰) ایران توران ایک کر دیا : یعنی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، بڑی محنت کی۔

(۱۳۱) ایک منھ ہزار باتیں : جہاں جائیں ایک ہی بات کا چرچا ہو رہا ہے۔

(۱۳۲) ایک دَر بند، ہزار دَر کھلے: یعنی روزی کا ایک ذریعہ بند ہو تا ہے تو اَللہ اس کے بجائے ہزار دروازے اور کھول دیتا ہے۔ گویا روزی کسی نہ کسی طرح ملتی ہی رہتی ہے۔

(۱۳۳) ایک رنگ آتا ہے، ایک جاتا ہے :اضطرابی کیفیت ہے اور پریشانی کے عالم میں چہرہ رنگ بدل رہا ہے۔ اس کو ''چہرہ پر ہوائیاں اُڑنا'' بھی کہتے ہیں۔

(۱۳۴) ایک کرے، دَس بھریں : یعنی جرم یا غلطی تو ایک شخص کرے اور اس کا خمیازہ بہت سے لوگوں کو اٹھانا پڑے۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۱۳۵) ایں خانہ ہمہ آفتاب است : یہ گھر تو سارا کا سارا آفتاب کی طرح روشن ہے یعنی سب ایک ہی جیسے ہیں۔یہ کہاوت اچھائی اور برائی دونوں کے لئے بولی جاتی ہے۔

(۱۳۶) ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند: یہ کام تو بس تو ہی کر سکتا تھا اور مرد ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔بہادری یا بڑے کام کرنے والے کی تعریف میں یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۳۷) ایک پَر کے سَو کوّے بناتا ہے : بہت چالاک اور شاطر ہے کہ ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا کر اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ کہاوت کا ایک مطلب ''بات کا بتنگڑ بنانا'' بھی ہے۔

(۱۳۸) ایک سر ہزار سَودا : سودا یعنی فکر و پریشانی۔ آدمی کی ایک جان کے ساتھ سیکڑوں فکریں لگی ہوئی ہیں۔

(۱۳۹) ایک تو دیوانہ، اِس پر آئی بہار: مشہور ہے کہ دیوانے آدمی کی دیوانگی بہار آنے پر بڑھ جاتی ہے۔یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب کسی شخص کا غصہ یا ایسی ہی کوئی اور خراب عادت کسی خارجی اور غیر متعلقہ وَجہ سے بڑھ جائے۔

(۱۴۰) ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دِگر: یہ بھی عشق کے دوسرے غموں کے ساتھ ایک اور غم لگا ہوا ہے۔ یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب صبر و شکر کے طور پر یہ کہا جائے کہ جہاں اتنی مصیبتیں ہیں وہاں یہ ایک اور سہی۔

(۱۴۱) ایک انار، سو بیمار : طاقت پہنچانے کی غرض سے مریض کو انار کا مقوی رس پلایا جاتا ہے۔اگر انار ایک ہی ہو اور مریض کئی تو پھر یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ کس کو کتنا دیا جائے یا دیا بھی جائے کہ نہیں۔ جب آدمی تو ایک ہی ہو لیکن اس کی خدمات کی بہت سے اشخاص کو ضرورت ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۴۲) ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے : یعنی ایک ہی خصلت کے لوگ جو ملی بھگت سے کام کریں اور اپنا ہی مفاد پیش نظر رکھیں۔ ''ایک ہی آوے کے برتن'' بھی اسی معنی میں ایک اور کہاوت ہے۔

(۱۴۳) ایسے لا کر رکھ دیا جیسے سوت کا لونڈا : یہ عورتوں کی زبان ہے۔اگر کسی آدمی کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ ایک دوسرے کی سوت (سوکن) کہلاتی ہیں۔ایسی عورتوں میں فطری طور پر رقابت اور حسد کا شدید جذبہ ہوتا ہے۔ لونڈا یعنی کم سن بچہ۔ظاہر ہے کہ ایک سوت کو دوسری سوت کی اولاد سے محبت نہیں ہوتی۔لہٰذہ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی چیز بے دلی سے لا کر رکھ دی جائے تو کہتے ہیں کہ'' ایسے لا کر رکھ دیا جیسے سوت کا لونڈا۔''

(۱۴۴) ایسی گرمی جس میں ہرن کالے ہوتے ہیں : ناقابل برداشت گرمی کے لئے کہتے ہیں کہ اتنی سخت گرمی ہے کہ ہرن اس سے کالے پڑے جا رہے ہیں۔''اتنی گرمی کہ چیل انڈا چھوڑ رہی ہے'' بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔

(۱۴۵) ایک پنتھ دو کاج : ایک ہی ترکیب سے دو مسئلے حل ہو گئے،ایک تیر سے دو شکار ہو گئے۔

(۱۴۶) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی ہے : جس طرح تالی کے لئے دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں اسی طرح جھگڑے فساد کے لئے بھی دو فریقوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص سارا الزام دوسرے فریق پر رکھے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۴۷) ایک دن مہمان،دوسرے دن مہمان، تیسرے دن بے ایمان : مستقل کسی کے گھر مہمان رہنا میزبان کے لئے قیامت ہوتا ہے۔چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ مہمان کو تیسرے دن میزبان کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو جانا چاہئے۔

(۱۴۸) ایک جھوٹ سو جھوٹ کو جنم دیتا ہے :ایک جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے بہت سے جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں۔

(۱۴۹) ایک سچ سو جھوٹ کو ہرائے : اگر ایک مرتبہ سچ بول دیا جائے تو اوّل تو یہ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کس سے کیا کہا تھا اور دوم یہ کہ ایک جھوٹ بول کر بار بار جھوٹ بولنے کی بھی حاجت نہیں رہ جاتی ہے۔

(۱۵۰) ایک انڈا،وہ بھی گندا : اگر کسی کے ایک ہی اولاد ہو اور وہ بھی ناخلف نکل جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۵۱) ایک آوے کے برتن ہیں : آوا یعنی گھان،ایک مرتبہ کی تیار کی ہوئی چیز۔مطلب یہ ہے کہ سب کے

سب ایک ہی خصلت کے ہیں جیسے ان کی ساخت وپرداخت ایک ہی وقت میں ہوئی ہو۔اس کو ''ایک ہی تھالی کے چٹّے، بٹّے ہونا'' بھی کہتے ہیں۔

(۱۵۲)ایک آنچ کی کسر ہے : کام پورا ہونے تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۵۳) ایک پاؤں اندر،ایک پاؤں باہر: یعنی اتنا مصروف کہ ایک پاؤں گھر کے اندر رہے اور ایک باہر۔ مستقل سفر میں ہے۔

(۱۵۴)ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی ہیں: یعنی ایک جگہ برابر کے دو بہادر نہیں رہ سکتے۔ جلد یا بدیر ایک کو پیچھے ہٹنا ہی ہو گا۔

(۱۵۵) ایک نہیں ستّر بلائیں ٹالتی ہے : ہر بات پر بلا سمجھے بوجھے ہاں کہہ دینا اپنے اوپر مشکلات کو بلانے کے برابر ہے۔ بہتر یہ ہے کہ موقع کی مناسبت دیکھ کر کام سے انکار کر دیا جائے کیونکہ ایک نہیں سے بے شمار آنے والی بلائیں ٹل سکتی ہیں۔

(۱۵۶) ایک چُپ سو کو ہراتی ہے :اگر مستقل باز پرس کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی جائے تو بہت سے مشکلوں سے بچا جا سکتا ہے۔

(۱۵۷) ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے :جس طرح ایک سڑی مچھلی سے سارا تالاب گندا ہو جاتا ہے اسی طرح ایک خراب آدمی سارے معاشرہ کی خرابی اور بدنامی کا باعث ہو سکتا ہے۔

----

(۳) ب۔ کی کہاوتیں:

(۱) با اَدب بانصیب، بے اَدب بے نصیب : کہاوت کے معنی اور موقع استعمال ظاہر ہیں۔ اَدب انسانی تعلقات کی بنیاد ہے اور اس کے بغیر کوئی تعلق معتبر نہیں ہے۔

(۲) باپ سے بیر، پُوت سے سگائی : پُوت یعنی بیٹا، سگائی یعنی شادی۔ اگر کوئی شخص کسی سے تعلق منقطع کر لے لیکن اس کے قریبی عزیزوں سے بدستور یگانگت رکھے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔ اس کہاوت میں طنز اور غصہ دونوں کا پہلو نکلتا ہے۔

(۳) باپ مارے کا بیر ہے : باپ مارے کا یعنی باپ کو قتل کرنے کا۔ گویا ایسی دشمنی ہے جیسے ایک شخص نے

دوسرے کے باپ کو قتل کر دیا ہو۔

(۴) بات رہ جاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے :وقت تو بہر حال گزر ہی جاتا ہے لیکن انسان کی کی ہوئی نیکی یا بدی اس کے بعد لوگوں کو یاد رہ جاتی ہے۔ کہاوت میں نیک کام کرنے کی تاکید مخفی ہے۔

(۵) بات کا بتنگڑ بنا دیا : بتنگڑ یعنی بہت بڑی بات۔ یعنی ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا کر ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اسی مطلب کے لئے دو کہاوتیں اور بولتے ہیں ’’سوئی کا بھالا بنا دیا‘‘ اور ’’رائی کا پربت بنا دیا‘‘۔

(۶) بات بدلی، ساکھ بدلی : آدمی کی زبان پر اس کی ساکھ قائم ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی بات پر قائم نہ رہے تو اس کی ساکھ نہیں رہتی۔

(۷) بات پوچھیں بات کی جڑ پوچھیں : کسی معاملہ کی کھوج میں بال کی کھال نکالی جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۸) بات لاکھ کی، کرنی خاک کی : یعنی بات تو بہت بڑھا چڑھا کر کی لیکن کر کے کچھ بھی نہ دکھایا۔ اسی مضمون کا شعر دیکھئے:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نکلا

(۹) بارہ برس دلّی میں رہے اور بھاڑ جھونکا : اگر کوئی شخص عرصہ تک اَچھے اِمکانات سے دوچار رَہے لیکن اُن سے کچھ حاصل نہ کرے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ دلّی کا ذکر وہاں میسر معاشی امکانات اور اس کی تہذیبی مرکزیت کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

(۱۰) بارہ برس بعد گھورے کے بھی دن پھر جاتے ہیں : گھورا یعنی کُوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔ وقت کے ساتھ اس مقام پر بھی کوئی کام کی چیز بن جاتی ہے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کب کسی بدقسمت آدمی کی قسمت بدل جائے گی۔ کہاوت میں یہ نصیحت بھی مخفی ہے کہ کسی کو تحقیر سے نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ کل اس کی حیثیت بدل سکتی ہے۔

(۱۱) باڑھ کاٹے، نام تلوار کا : باڑھ یعنی تلوار کی دھار۔ تلوار کی کاٹ اُس کی باڑھ ہی کرتی ہے لیکن نام تلوار کا ہوتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ کام تو کوئی اور کر رہا ہے لیکن نام کسی اور کا ہو رہا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۲) باڑھ ہی جب کھیت کھائے تو رکھوالی کون کرے : باڑھ یعنی وہ خاردار جھاڑی جو کھیت کے اِرد گرد اُس کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لئے لگائی جاتی ہے۔ جب مال کا چوکیدار ہی چوری کرنے لگے تو پھر کس کا بھروسا کیا

جائے؟ یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب کوئی ایسا شخص دھوکا دے یا چوری کرے جس کو معتبر سمجھا گیا تھا۔

(۱۳) باسی کڑھی میں اُبال آیا : یہ کہاوت دو مختلف معانی میں استعمال ہوتی ہے:

(ا) باسی کڑھی میں اُبال بہت جلدی آتا ہے اور اُتنی ہی جلدی بیٹھ بھی جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو غصہ بہت جلد آتا ہو اور ذرا سی دیر میں اُتر بھی جاتا ہو تو اس کو ''باسی کڑھی میں اُبال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ب) پرانے اور بھولے بسرے قضیے یاد کرکے انھیں فساد اور تفرقے کی بنیاد بنایا جائے تو اس وقت یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۴) باسی بچے، نہ کتّا کھائے : یعنی چیز بالکل نپی تلی اور ضرورت کے عین مطابق ہوتا کہ ضائع نہ جائے۔ اس کی مثال ایسے کھانے سے دی گئی ہے جو نپا تلا پکایا جاتا ہے اور باسی ہو کر کتوں کی نذر ہونے سے بچ رہتا ہے۔

(۱۵) بال برابر فرق نہیں : یعنی دو چیزوں میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں ہے، تقریباً ایک ہی جیسی ہیں۔

(۱۶) بال بال بچ گئے : بال بال یعنی بہت کم، گویا بس بچ ہی گئے ورنہ نقصان یقینی تھا۔

(۱۷) بال بال موتی پروئے : سولہ سنگھار کئے، بہت بنے سنورے۔

(۱۸) با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام : یہ کہاوت خوش اخلاق اور وسیع القلب انسان کے بیان میں ہے کہ مسلمان سے ملتا ہے تو سلام یا اَللہ اَللہ کر لیتا ہے اور ہندو برہمن کو رام رام کہہ کر سلام کر لیتا ہے۔

(۱۹) بائیں ہاتھ کا کھیل ہے : عام طور سے لوگوں کے لئے بائیں ہاتھ سے کام کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اگر کسی کے لئے کوئی کام بہت آسان ہو تو کہتے ہیں کہ یہ تو اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی اس کے لئے بہت آسان ہے۔

(۲۰) بتیس دانتوں میں زبان ہے : انسان کی زبان بتیس دانتوں میں ایسی گھری ہوئی ہے جیسے چاروں طرف دشمنوں کا نرغہ ہو۔ کہاوت ایسے شخص کی حالت بیان کر رہی ہے جو مخالفین سے گھرا ہوا ہو۔

(۲۱) بچھو کا منتر نہ جانے، بانبی میں ہاتھ ڈالے : بانبی یعنی بچھو کا بل۔ مشہور ہے کہ کچھ لوگوں کو ایسا منتر آتا ہے جس سے بچھو کا زہر اثر نہیں کرتا۔ وہ کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے جو ایسے منتر سے تو ناواقف ہے لیکن بچھو کے بل میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسئلہ کا حل تو نہ جانتا ہو لیکن کام اپنے ذمہ لینے پر مصر ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۲) بچھڑا کھونٹے کے بل کودتا ہے : گائے کا بچھڑا رسی اور کھونٹے کے سہارے شوخی سے اچھلتا کودتا ہے۔ اسی طرح آدمی بھی کسی کی پشت پناہی کے بل پر ہی شرارت کرتا ہے۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۲۳) بچھو کا ڈنک ہے : شرارتی اور فتنہ پرداز آدمی کے لئے کہا جاتا ہے جو ہر کس و نا کس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔

(۲۴) بخشو بی بلی، چوہا لنڈورا ہی جئے گا : لنڈورا یعنی بغیر دُم کے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک بلی نے ایک چوہے پر

لپک کر حملہ کیا۔ چوہا بھاگ کر اپنے بل میں گھس گیا لیکن اس کی دُم بلی کے پنجوں میں کٹ کر رہ گئی۔ بلی نے چاپلوسی سے کام نکالنا چاہا اور چوہے سے بولی ''میاں چوہے! تم باہر آجاؤ تو ہم دونوں مل کر کھیلیں گے اور تم اپنی دُم بھی مجھ سے لے لینا۔'' چوہا اس کی چال سمجھ گیا۔ اس نے بلی کو جواب دیا کہ ''بخشو بی بلی، چوہا لنڈورا ہی جی لے گا۔'' اگر کسی کام میں کوئی معمولی سی کمی رہ جائے تو کام کی تکمیل کی خاطر بڑا خطرہ مول لینے کی سفارش یا تنبیہہ پر یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۲۵) بد اچھا بدنام برا : برا آدمی ایک مرتبہ نظروں مین نہ بھی آئے لیکن بدنام شخص کو ہر ایک جانتا ہے اور اس کو برا سمجھتا ہے چاہے اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو یا نہیں ہوا ہو۔

(۲۶) بدھیا مری بلا سے، آگرہ تو دیکھ لیا : بدھیا یعنی بھینس۔ ایک دھوبی اپنی بھینس پر بیٹھ کر آگرہ تاج محل دیکھنے گیا۔ واپسی میں اس کی بھینس مر گئی۔ لوگوں نے پوچھا تو اس نے یہ کہاوت دہرادی۔ یعنی نقصان تو بہت ہوا لیکن دلی آرزو تو پوری ہو گئی۔

(۲۷) بدلی کی دھوپ جب نکلے تیز : بادلوں کے چُھٹ جانے پر جو دھوپ نکلتی ہے وہ بہت تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کا غصہ بھی تیز اور خطرناک ہوتا ہے جو اس کو دیر تک دبائے بیٹھا رہے۔

(۲۸) برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا : اگر کسی پر برا وقت پڑے تو سب لوگ ساتھ چھوڑ کر اپنی اپنی رَاہ لیتے ہیں اور کسی کو اُس کا دُکھ بٹانے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ کہاوت اِسی انسانی فطرت کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۲۹) بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگزرد : یعنی انسان پر کیسا ہی برا وقت آئے بہر کیف گزر ہی جاتا ہے۔ کہاوت میں صبر و شکر کی تلقین مخفی ہے کہ آدمی کو ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۳۰) بُرے دن دیکھ کر نہیں آتے : کسی پر برا وقت یہ دیکھ کر نہیں آتا کہ وہ پہلے سے ہی کتنی مشکلات کا شکار ہے۔

(۳۱) برساتی مینڈک: برسات میں بے تحاشہ مینڈک نکل آتے ہیں۔ اسی مناسبت سے برساتی مینڈک سے مراد ایسے لوگوں سے ہے جو وقت ساز گار دیکھ کر اپنے مطلب کے لئے آجاتے ہیں۔ یعنی مطلب کے یار، خود غرض۔

(۳۲) بڑے بول کا سرنیچا: بڑا بول یعنی غرور کی بات۔ مطلب یہ ہے کہ غرور انجام کار سب کے سامنے ذلیل ہو کر رہتا ہے۔

(۳۳) بڑا بول نہ بولئے، بڑا لقمہ نہ کھایئے : بڑی بات اور بہت اچھا کھانا جو دوسروں کو دکھا کر کھایا جائے غرور کی علامت ہیں۔ دونوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ غرور کا سر آخر کار نیچا ہوتا ہے۔

(۳۴) بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ : یعنی بزرگ تو خیر جیسے تھے ویسے تھے ہی لیکن ان کی اولاد تو ان سے بھی بڑھ گئی۔ کوئی شخص اپنے پچھلے کام کرنے والوں سے زیادہ نا کارہ ثابت ہو تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۳۵) بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال : بزرگی تو عقل سے ہوا کرتی ہے، عمر سے نہیں۔

(۳۶) بسم اللہ کرو : یعنی اللہ کا نام لو اور کام کی ابتدا کرو۔

(۳۷) بسم اللہ ہی غلط ہوئی : یعنی کام کی شروعات ہی غلط ہو گئی۔

(۳۸) بِس کی گانٹھ ہے: بِس یعنی زہر۔ یہ کہاوت بھی اسی معنی میں بولی جاتی ہے جس میں ''بچھو کا ڈنک ہے'' استعمال ہوتی ہے۔

(۳۹) بغلی گھونسا : دوست سے مدد اور سہارے کی امید کی جاتی ہے۔ اس مناسبت سے ایسا دوست جو فریب کار اور دغاباز ہو بغلی گھونسا کہلاتا ہے۔

(۴۰) بغل میں بچہ شہر میں ڈھنڈورا : ڈھنڈورا یعنی مسلسل ڈھول بجانا۔ پرانے زمانے میں جب ٹی وی، لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کچھ نہیں تھا تو شہر کے لوگوں کو ڈھنڈورے کے ذریعہ سرکاری خبریں پہنچائی جاتی تھیں۔ ڈھنڈورا چوراہہ پر پیٹا جاتا تھا اور لوگ جمع ہو کر ڈھنڈورچی سے سرکاری اعلان سن لیا کرتے تھے۔ جب کوئی چیز آنکھوں کے سامنے ہو لیکن اس کی تلاش چاروں طرف زور و شور سے کی جا رہی ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۱) بکری کا سا منھ چلتا ہے : بکری مستقل کھاتی رہتی ہے۔ یہ کہاوت ایسے آدمی کے بارے میں کہی جاتی ہے جو ہر وقت کھاتا رہتا ہو۔

(۴۲) بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی: یعنی ایک نہ ایک دن تو بکرے کو ذبح ہونا ہی ہے۔ بکری اپنے بچہ کو کب تک محفوظ رکھ سکتی ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ برا آدمی آخر کار اپنے انجام کو ضرور پہنچتا ہے۔

(۴۳) بگلا بھگت: یعنی مکار، چالاک، دھوکہ باز۔ بگلا سفید ہوتا ہے، اس مناسبت سے بگلا بھگت وہ شخص ہو گا جو اپنی سفید پوشی سے لوگوں کو دھوکا دے۔

(۴۴) بگڑا شاعر مرثیہ گو: مرثیہ گوئی کو اُردو شاعری میں واللہ اعلم کیوں بڑا فن نہیں سمجھا جاتا ہے۔ مرثیہ گو کے بارے میں قدرے تحقیر سے کہا جاتا ہے کہ شاعری پر قدرت نہیں ہے اس لئے مرثیہ گوئی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ یعنی شاعر بگڑ کر مرثیہ گو ہو گیا ہے۔

(۴۵) بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا: بھاگوں یعنی خوش قسمتی سے۔چھینکا اُس رَسّی کی جھولی کو کہتے ہیں جس میں سالن یا دودھ کا برتن رکھ کر باورچی خانہ کی چھت سے لٹکا دیتے ہیں تاکہ چوہوں اور بلی سے حفاظت رہے۔بلّی کی خوش قسمتی سے اگر چھینکا ٹوٹ جائے تو اس کے وارے نیارے ہیں۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ حسن اتفاق سے کام بن ہی گیا۔

(۴۶) بلی چوہے خدا کے واسطے نہیں مارتی : یعنی ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہوتا ہے اور اسی مقصد سے کام کرتا ہے جیسے بلی چوہوں کا شکار اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کرتی ہے، اللہ واسطے نہیں کرتی۔

(۴۷) بلی سے چھیچھڑوں کی رکھوالی : ظاہر ہے کہ بلّی سے چھیچھڑوں کی رکھوالی کروانے کا کیا انجام ہو گا۔اگر کسی شخص کا ذاتی مفاد کسی کام کے نہ ہونے سے وابستہ ہے تو اسے اُس کام کا ذمہ دار بنا دینا حماقت ہے۔ایسے موقع پر یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۸) بلی جب گرتی ہے تو پنجوں کے بل : بلّی کو اُونچائی سے پھینکئے تو وہ ہمیشہ پنجوں کے بل گرتی ہے اور چوٹ سے بچ جاتی ہے۔اسی طرح انسان بھی نقصان کی امکانی صورت میں ہمیشہ ایسے ذرائع اختیار کرتا ہے جس میں اس کو کم سے کم نقصان اٹھانا پڑے۔

(۴۹) بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا : جب گھروں میں ریفریجیٹر نہیں ہوتے تھے تو باورچی خانے کی چھت سے عموماً رسی سے بنی ہوئی ایک جھولی لٹکی رہتی تھی جس کو ''چھینکا'' کہتے تھے۔رات کو دودھ یا سالن کی ہانڈی اس میں رکھ دی جاتی تھی۔اس طرح ایک تو کھلی ہوا میں رہنے سے چیز کے خراب ہونے کا امکان کم ہو جاتا تھا اور دوسرے وہ چوہوں اور بلی کی دسترس سے بھی بچ جاتی تھی۔بلی کے بھاگوں یعنی قسمت سے اگر چھینکا ٹوٹ جائے تو گویا یہ بلی کی خوش قسمتی ہوئی ۔چنانچہ اگر کسی شخص کی خوش قسمتی سے کوئی ان ہونی بات اس کے حق میں ہو جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ازراہ تفنن طبع چھینکے کی مناسبت سے ایک شعر دیکھئے۔ خیال رہے کہ چھینکے سے چیز اُتارنے کے لئے ہاتھ اوپر اُٹھانے کی ضرورت ہے:

اُن سے چھینکے سے کوئی چیز اُتروائی ہے — کام کا کام ہے، انگڑائی کی انگڑائی ہے

(۵۰) بلّی پہلے دن ہی ماری جاتی ہے:یعنی جھگڑے یا فساد کے انسداد کی فکر اوّل روز ہی کی جاتی ہے۔دیر لگ جائے تو معاملہ ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔اس کہاوت سے ایک قصہ منسوب ہے۔دو بھائیوں کی ساتھ ساتھ ہی شادی ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد دیکھا گیا کہ چھوٹے بھائی کی بیوی تو نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار ہے لیکن بڑے بھائی کی بیوی نہایت نک چڑھی اور جھگڑالو ہے اور شوہر کی جان ضیق میں ڈال رکھی ہے ۔ایک دن بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ ''کیا بات ہے کہ تمھاری بیوی ایسی خاموش اور نیک بخت ہے جب کہ میری بیوی ایسی ناکارہ اور بدزبان ہے ؟'' چھوٹے

بھائی نے کہا کہ ''بھائی صاحب! شادی کے بعد جب میں حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو اُسی وقت کہیں سے ایک بلی کمرہ میں گھس آئی۔ قریب ہی کونے میں ایک ڈنڈا رکھا ہوا تھا۔ میں نے انتہائی غضب ناک ہو کر ڈنڈا گھما کر جو بلی کو رسید کیا تو وہ وہیں جاں بحق ہو گئی۔ بیوی کے دل پر میرے غصہ کی دہشت ایسی بیٹھی کہ وہ اب کسی بات پر مجھ سے اختلاف نہیں کرتی ہے۔'' بڑے بھائی نے یہ باتیں غور سے سنیں۔ اُسی رات جب وہ اپنے کمرہ میں گیا تو اتفاق سے ایک بلی وہاں گھس آئی۔ اُس نے کونے میں کھڑا ایک ڈنڈا اُٹھا کر بلی کو ایسا رسید کیا کہ وہ وہیں گر کر مر گئی۔ یہ دیکھ کر بیوی کو غصہ آ گیا اور اُس نے اپنے خاوند کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی۔ دوسرے دن بڑے بھائی نے چھوٹے سے بتایا کہ اُس کا بتایا ہوا نسخہ تو کسی کام نہ آیا۔ چھوٹے بھائی نے مسکرا کر کہا ''بھائی صاحب! بلی پہلے ہی روز ماری جاتی ہے''! محل استعمال کا اسی سے قیاس کر لیجئے۔

(۵۱) بلّی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا: کہاوت کے ساتھ ایک فرضی قصہ منسوب ہے۔ ایک بلی مستقل چوہوں کا شکار کئے جا رہی تھی۔ چوہوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مصیبت سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔ آخر سب سر جوڑ کر بیٹھے۔ ایک چوہے نے تجویز پیش کی کہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھ دی جائے تو اس کے آنے کی ٹن ٹن سُن کر چوہے بھاگ کر اپنی جان بچا سکیں گے۔ تجویز کو سب نے بہت پسند کیا۔ اتنے میں ایک چوہے نے پوچھا کہ '' لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟'' یہ سن کر چاروں جانب سناٹا چھا گیا۔ گویا کسی مشکل کا حل تجویز کرنا جس قدر آسان ہوتا ہے اسی قدر اس پر عمل در آمد دشوار بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تجویز کے ہر پہلو پر غور کر لیا جائے اور پھر اس کو پیش کیا جائے۔

(۵۲) بندر کے ہاتھ ناریل تھما دیا: بندر کے ہاتھ میں ناریل دے دیا جائے تو وہ اُسے بے مصرف گھما پھرا کر دیکھے گا لیکن کچھ کر نہ سکے گا۔ اسی طرح وہ آدمی جو کسی کام کا شعور نہیں رکھتا ہو اس کو انجام نہیں دے سکتا ہے۔ اگر ایسے آدمی کو کوئی مشکل کام دے دیا جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۵۳) بندر سے کیا آشنائی: یعنی کم عقل اور بے مروت کی دوستی کا کیا بھروسا۔ دوستی معتبر آدمی سے رکھنی چاہئے۔

(۵۴) بندر کیا جانے اَدرک کا سواد: سواد یعنی مزا۔ ظاہر ہے کہ بندر کو اَدرک کے مزے کی تمیز نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح نادان اور بے علم آدمی کو عقل کی باتیں سمجھنے کا شعور نہیں ہوتا چنانچہ اس سے ایسی باتیں کرنا بے سود ہے۔

(۵۵) بندر کے ہاتھ آئینہ دے دیا: بندر کے ہاتھوں میں آئینہ آ جائے تو وہ حیرت سے اس میں اپنی صورت دیکھتا ہے۔ چنانچہ کہاوت کا یہی مطلب ہے کہ بے وقوف اور ناسمجھ سے ایسے کام کی اُمید کی جو وہ جانتا ہی نہیں ہے۔ استعمال

معنی سے ظاہر ہے۔

(۵۶) بنئے کا بیٹا کچھ دیکھ کر گرتا ہے : یہاں کچھ سے مراد زمین پر پڑا ہوا روپیہ ہے۔ بنئے کا ہوشیار بیٹا سڑک پر یونہی نہیں گرتا بلکہ اس بہانے زمین پر پڑا ہوا روپیہ اٹھالیتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ چالاک اور عیار آدمی کا کوئی کام اپنے فائدے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

(۵۷) بندر بانٹ کرنا : یعنی دو اشخاص کے درمیان کسی شے کی ایسی تقسیم کرنا جس سے فریقین کو تو کچھ نہ ملے لیکن تقسیم کرنے والا سارا مال ہڑپ لے۔ اس کہاوت سے ایک کہانی منسوب ہے۔ ایک بار دو کوؤں کو ایک روٹی مل گئی اور اس کی تقسیم میں ان میں جھگڑا ہونے لگا۔ وہ دونوں ایک بندر کے پاس روٹی کی تقسیم کے لئے گئے۔ بندر نے روٹی کے دو ٹکڑے کئے لیکن ایک کوّے نے کہا کہ اُس کا ٹکڑا دوسرے کے ٹکڑے سے چھوٹا تھا۔ اس پر بندر نے دوسرے ٹکڑے سے ایک نوالہ کاٹ کر کھالیا۔ لیکن ایسا کرنے سے اب وہ ٹکڑا پہلے ٹکڑے سے چھوٹا ہو گیا۔ کوّوں نے پھر شکایت کی تو بندر نے پھر بڑے ٹکڑے میں سے ایک نوالہ کتر کر کھالیا جس سے پہلا ٹکڑا چھوٹا ہو گیا۔ کوّے شکایت کرتے رہے اور بندر روٹی کھاتا رہا یہاں تک کہ آخر میں بندر کے پاس روٹی کا نہایت چھوٹا سا ٹکڑا رہ گیا۔ اس نے کہا کہ ''اب یہ تو اتنا چھوٹا ہو گیا ہے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو ہی نہیں سکتے۔'' یہ کہہ کر اُس نے وہ آخری ٹکڑا بھی منہ میں رکھ لیا اور کوّے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ اسی کو ''بندر بانٹ'' کہتے ہیں۔

(۵۸) بندر کو ہلدی کی گرہ مل گئی تو پنساری بن بیٹھا : کسی نااہل آدمی کو ذراسی کوئی چیز مل جائے تو وہ اس چیز کا ماہر نہیں بن جاتا ہے۔ کہاوت میں کم ظرفوں کی جانب اشارہ ہے کہ اِن کی ذراسی داد یا تعریف ہو جائے تو خود کو سب سے اچھا اور برتر سمجھنے لگتے ہیں۔

(۵۹) بن مانگیں موتی ممکنا اور مانگے ملے نہ بھیک : ایسی صورتِ حال جب بغیر مانگے تو دولت اور شہرت حاصل ہو جائے لیکن اگر مانگا جائے تو خیرات بھی نہ ملے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۶۰) بندھی مٹھی لاکھ برابر: جب تک مٹھی بند رہے آدمی کا بھرم قائم رہتا ہے جیسے لاکھ روپے اس کے ہاتھ میں ہوں۔ مٹھی کے کھلتے ہی بھرم ٹوٹ سکتا ہے۔ اسی طرح خاموشی کے ٹوٹتے ہی انسان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

(۶۱) بنیا بھولتا ہے تو زیادہ ہی بتاتا ہے: بنیا اپنی فطرت اور تربیت میں چالاک اور خود غرض ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ سودے کی بھول چوک میں بھی اپنے فائدہ کی صورت نکال لیتا ہے۔ یہ کہاوت مطلب پرست اور شاطر لوگوں کے لئے کہی جاتی ہے۔

(۶۲) بنی کے سو ساتھی، بگڑی کا کوئی نہیں : اچھے وقت سب ساتھ دیتے ہیں لیکن برے وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

(۶۳) بوڑھا اور بچہ برابر : بوڑھا اور بچہ اپنی عادتوں میں بہت کچھ ایک سے ہوتے ہیں۔

(۶۴) بوٹی دے کر بکرا لے لیا: یعنی تھوڑے کے بدلے میں بہت وصول کر لیا۔

(۶۵) بویا نہ جوتا، اللہ میاں نے دیا پوتا : یعنی بغیر محنت ہی سب کچھ مل گیا، گھر بیٹھے بٹھائے دولت مل گئی۔

(۶۶) بوڑھی گھوڑی لال لگام : بوڑھی گھوڑی پر لال لگام پھبتی نہیں ہے۔ کوئی عمر رسیدہ عورت سنگھار کر کے خود کو جوان ظاہر کرنے کی کوشش کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۶۷) بوڑھے توتے نئے سبق نہیں پڑھتے : نئی باتیں سیکھنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ جس طرح بوڑھے توتے کو نئی بات سکھانا مشکل ہوتا ہے اسی طرح عمر رسیدہ لوگوں میں بھی نئی باتیں سیکھنے کی صلاحیت کم رہ جاتی ہے۔

(۶۸) بوڑھ منھ مہاسے، لوگ دیکھیں تماشے : چہرے پر مہاسے نکلنا اوائل شباب کی نشانی ہے۔ کسی کو بڑھاپے میں مہاسے نکلیں تو لوگ اس پر ہنسیں گے کہ ان پر بڑھاپے میں جوانی آئی ہے۔ چنانچہ کسی کے ساتھ کوئی انہونی بات ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۶۹) بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو : آسانی سے میسر چیز سے فائدہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے بہتے دریا میں ہر شخص ہاتھ منھ دھو لے۔ اسی معنی میں "بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو" بھی کہتے ہیں۔ گنگا ہندوؤں کا مقدس دریا ہے۔ بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے مراد بہت کم کوشش سے بہت سی نیکی کمانا ہے۔

(۷۰) بہت ٹیڑھی کھیر ہے : قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک اندھے سے پوچھا کہ "کھیر کھاؤ گے؟" اُس نے جواباً پوچھا کہ "کھیر کیا ہوتی ہے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "حلوہ کی طرح میٹھی اور رنگ میں سفید"۔ اندھے نے دریافت کیا کہ "سفید کا کیا مطلب ہے؟"۔ اُس شخص نے کہا "جیسے بگلا۔" اندھے آدمی نے حیرانی سے پوچھا کہ "یہ بگلا کیا ہوتا ہے؟"۔ اُس شخص نے ہاتھ کو بگلے کی شکل میں ٹیڑھا کر کے اندھے کے سامنے کر دیا۔ اندھے نے ٹٹول کر اس کا ہاتھ چھوا اور بولا "بھائی یہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہم سے نہیں کھائی جائے گی۔" اسی مناسبت سے اگر کوئی کام مشکل اور پیچیدہ ہو تو اس کو ٹیڑھی کھیر کہتے ہیں۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۷۱) بہت قریب، زیادہ رقیب: جو شخص جتنا قریبی تعلق رکھتا ہے اُتنا ہی زیادہ وہ رشک و حسد کا شکار ہو سکتا ہے۔

(۷۲) بہرا روٹی کی پَٹ پَٹ سن لیتا ہے: یعنی ہر شخص اپنے مطلب کی بات بالکل اسی طرح سن لیتا ہے جیسے بہرا آدمی روٹی پکانے کی آواز فوراً سُن لیتا ہے۔

(۷۳) بہوؤں سے چور پکڑواتا ہے : بزدل اور کم ظرف آدمی کے لئے کہتے ہیں کہ ایسا گیا گزرا ہے کہ چور آ جائیں تو خود تو پکڑتا نہیں اپنی بہوؤں سے کہتا ہے کہ جاؤ اس کو پکڑو۔

(۷۴) بھاگتے چور کی لنگوٹی : کنجوس آدمی سے تھوڑی سی خیرات بھی مل جائے تواس کو غنیمت جاننا چاہئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو مال ڈوب رہاہوا گراس میں سے کچھ بچ رہے تو غنیمت ہے یا کنگال مقروض سے قرض کا تھوڑاسا حصہ بھی واپس مل جائے تواس کو بہت جاننا چاہئے۔اسی معنی میں ''بھاگتے بھوت کی لنگوٹی'' بھی مستعمل ہے۔

(۷۵) بُھس کے مول مَلِیدہ : بُھس یعنی گھاس پھوس۔ملیدہ دودھ اور روٹی سے بنایا جاتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کے اچھی اور قیمتی چیز سستے داموں مل گئی۔استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۷۶) بھیڑ کی لات کیا، عورت کی بات کیا: بھیڑ کی لات میں زیادہ چوٹ نہیں ہوتی اور عورت کی بات کا اعتبار کم ہوتا ہے۔ کہاوت اسی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۷۷) بھلے گھوڑے کو ایک چابک کافی ہے اور بھلے آدمی کو ایک بات : اگر گھوڑا سیدھے سبھاؤ کا ہو تو وہ چابک کے ایک اشارہ پر مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ لیکن اَڑیل گھوڑا چابک پر چابک کھاتا ہے اور دولتیاں مارے جاتا ہے۔اسی طرح بھلے آدمی کو ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔ محل استعمال معنی سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۷۸) بھوک میں گُولر بھی پکوان: گولرا یک خودرو درخت کا پھل ہے جو عام طور سے کوئی نہیں کھاتا۔ ظاہر ہے کہ آدمی بھوکا ہو تو گولر بھی مزے دیتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر جو بھی ہاتھ آجائے وہ غنیمت ہے۔

(۷۹) بھیگی بلّی بننا : بھیگی ہوئی بلی کی صورت سے بے بسی اور بزدلی ٹپکتی ہے۔چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے بزدلی کا مظاہرہ کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۸۰) بھاڑے کا ٹٹو ہے : بھاڑا یعنی کرایہ، ٹٹو یعنی چھوٹے قد کا گھوڑا۔ کم اصل آدمی جو پیسے لے کر چھوٹا موٹا کام کردے بھاڑے کا ٹٹو کہا جائے گا۔ بھاڑے اور ٹٹو کہنے میں تحقیر کا عنصر شامل ہے۔

(۸۱) بھینس کے آگے بین بجانا : یعنی نااہل آدمی سے دانشمندی کی بات کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بھینس کے آگے بین بجائے اوراس سے داد کی اُمید رکھے۔اسی معنی میں ''بھینس کے آگے بین بجائے، بھینس کھڑی پگرائے'' بھی کہتے ہیں۔دیہاتی زبان میں پگرانا بغیر سمجھے بوجھے سر ہلانے کو کہتے ہیں۔

(۸۲) بھیک مانگے، آنکھ دکھاوے: یعنی حال تو یہ ہے کہ خود بھیک مانگتا ہے لیکن دماغ ایسے ہیں کہ لوگوں سے رعونت سے پیش آتا ہے۔یہ کہاوت کم حیثیت لیکن بددماغ شخص کے لئے کہی جاتی ہے۔

(۸۳) بھونی مچھلی جل میں پڑی : بھنی ہوئی مچھلی پانی میں گر جائے تو کھانے لائق نہیں رہتی۔ کہاوت کا یہی مطلب ہے کہ اچھا خاصہ کام ہو گیا تھا لیکن ذراسی خرابی یا غفلت نے اسے بگاڑ دیا۔

(۸۴) بھان متی کا سوانگ :سوانگ یعنی بہروپ، بناوٹی چہرہ۔ بھان متی ایک فرضی کردار ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے فضول اور از کار رفتہ بہروپ اور تماشہ۔ ایسا عام طور پر لوگوں کو فریب دینے کے لئے کیا جاتا ہے۔

(۸۵) بھس میں چنگاری ڈال جمالو دور کھڑی : اناج کاٹ کر اس کے دانے نکال لئے جائیں تو بُھوسا بچ رہتا ہے۔ بُھس اسی بھوسے کا مخفف ہے۔ جمالو ایک فرضی عورت ہے جس کی فطرت میں شرارت اور فتنہ پردازی ہے۔ جب کوئی شخص کوئی فتنہ دوسروں کے نقصان سے بے نیاز ہو کر صرف تماشہ دیکھنے کی خاطر کھڑا کردے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۸۶) بھان متی نے کنبہ جوڑا، کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا : روڑا یعنی کنکر پتھر۔ اگر بے مصرف اور بے جوڑ چیزوں کو ملا کر کام نکالنے کی کوشش کی جائے یا کسی گروہ میں ایسے لوگ ہوں جو آپس میں بنیادی اختلافات رکھتے ہوں تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۸۷) بھاری دیکھا پتھر، چوم کر چھوڑ دیا :یعنی جب کام انتہائی مشکل اور محنت طلب نظر آیا تو اس کو دُور سے ہی سلام کر کے ہاتھ جھاڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی مشکل کام سے جان چھڑائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۸۸) بھول چوک لینی دینی : بیوپاریوں کے درمیان پیسے کا لین دین مستقل رہتا ہے۔ اس میں کسی فریق کی جانب سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے لین دین کے بعد وہ کہتے ہیں ’’بھول چوک لینی دینی‘‘ یعنی اگر کہیں غلطی ہو گئی ہے تو وہ نادانستہ ہے اور اس سے آئندہ نمٹ لیا جائے گا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۸۹) بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا : بھڑ کے چھتے کو چھیڑنے کے نتیجہ میں ہزاروں بھڑیں آدمی سے لپٹ جاتی ہیں۔ یعنی فسادی اور بد قمار لوگوں کو خواہ مخواہ نہیں چھیڑنا چاہئے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۹۰) بھری تھالی میں لات ماردی: بھری تھالی یعنی سامنے رکھی ہوئی نعمت۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ خوش قسمتی سے ملی ہوئی نعمت کو ٹھکرا دیا گویا اللہ کی ناشکری کی۔

(۹۱) بھات چھوڑے، ساتھ نہ چھوڑے: بھات پکے ہوئے چاولوں کو کہتے ہیں۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ ایسی پکی دوستی ہے کہ نقصان بھی ہو جائے تو تعلق خاطر منقطع نہیں کریں گے۔

(۹۲) بھیڑ چال: بھیڑ ایک کے پیچھے ایک اندھا دھند چلتی ہے۔ بھیڑ چال یعنی بے سوچے سمجھے تقلید۔

(۹۳) بیوقوف دوست سے، عقل مند دشمن بھلا : موقعِ استعمال کہاوت کے معنی سے ظاہر ہے۔

(۹۴) بیاہ نہیں کیا لیکن برات میں تو گئے ہیں: یعنی ایسے گئے بیتے بھی نہیں ہیں کہ مکمل ناکارہ ہوں۔ کام کچھ نہ

کچھ تو جانتے ہی ہیں۔

(۹۵) بے تلی کا لوٹا : اگر لوٹے میں تلی یعنی پیندا نہ ہو تو وہ جہاں تہاں لڑ کتا پھرتا ہے۔چنانچہ بے تلی کا لوٹا ایسے آدمی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا اعتبار نہ ہو۔

(۹۶) بیکار مباش، کچھ کیا کر :مباش فارسی ہے یعنی مت رہ۔ بیکار یا خالی بیٹھے رہنا عقل مندی کی نشانی نہیں ہے۔ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے۔ اسی معنی میں بیکار سے بیگار بھلی بھی کہا جاتا ہے۔

(۹۷) بیکاری سے بیگار بھلی : بیگار یعنی بغیر معاوضہ کا کام۔ صاحب اختیار لوگ کمزور لوگوں سے بیگار کرا لیتے ہیں اور وہ بیچارے معاوضہ بھی نہیں مانگ سکتے۔ کہاوت کا یہ مطلب ہے کہ بیگار بھی بیکار بیٹھے رہنے سے بہتر ہے۔

(۹۸) بے دال کا بودم: بودم میں سے د نکال دیں تو بوم بچ رہتا ہے جس کے معنی اُلو ہیں۔ کسی کو گھما پھرا کر احمق کہنا ہو تو اس کو ''بے دال کا بودم'' کہہ دیتے ہیں۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۹۹) بے وقت کی راگنی : ہندوستانی کلاسیکل موسیقی میں راگوں کے اوقات مقرر ہیں۔مثلاً سہ پہر کو راگ ''سارنگ''اور رات کے پچھلے پہر راگ ''کیدارہ'' گاتے ہیں۔ کسی راگ کو اس کے معینہ وقت سے ہٹ کر گانا ''بے وقت کی راگنی'' کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی کام یا بات بالکل بے موقع کرے تو یہ کہاوت کہی جائے گی۔

(۱۰۰) بے سر پیر کی باتیں: بکواس، فضول باتیں۔

----

(۴) پ۔ کی کہاوتیں:

(۱) پاگل کے سر کیا سینگ ہوتے ہیں؟: پاگل اپنی حرکات سے الگ پہچانا جاتا ہے۔یہ فقرہ طنزاً بولا جاتا ہے۔

(۲) پانچ دو سات ہو گئے : یعنی آپس میں مل بیٹھے۔یہ ''نو دو گیارہ ہو گئے'' کہاوت کا الٹا ہے۔نو دو گیارہ ہونے کے معنی بھاگ کھڑا ہونا ہیں جب کہ پانچ دو سات ہونے کے معنی گٹھ جوڑ کر لینے کے ہیں۔

(۳) پانی پیجئے چھان کر اور پیر کیجئے جان کر : یعنی پانی پینے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ صاف ہے یا نہیں اور کسی کو اپنا پیر و مرشد بنانے سے قبل جانچ پڑتال کر لینی چاہئے کہ کس رتبہ کا آدمی ہے۔ایسا نہ کرنے میں نقصان کا خطرہ ہے۔یہ کہاوت تنبیہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

(۴) پانی سے پہلے پل باندھ رہے ہیں: اس سے پہلے کہ مسئلہ سر پر آجائے اس کے علاج کی صورت کر رہے ہیں۔ یہ دانشمندی کی نشانی ہے۔ پانی سر پر آجائے تو اس وقت پل باندھنا کیا معنی رکھتا ہے؟

(۵) پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں: جس طرح ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں اسی طرح کوئی دو شخص بھی بالکل یکساں نہیں ہیں۔

(٦) پانڈے جی پچھتاؤ گے، وہی چنے کی کھاؤ گے: جب کوئی شخص ضد میں کسی کام سے انکار کر دے لیکن بعد میں مجبور ہو کر اس پر بصد اکراہ راضی ہو جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ اس کہاوت سے ایک کہانی منسوب ہے کہ ایک پنڈت جی کو چنے کی روٹی اور دال سخت ناپسند تھے۔ ایک دن جب بیوی نے ان کے سامنے چنے کی دال اور روٹی رکھی تو پنڈت جی نے کھانے سے انکار کر دیا۔ بیوی نے سمجھایا کہ ''گھر میں اس وقت اور کچھ پکانے کو نہیں ہے۔'' لیکن وہ نہ مانے اور غصہ میں بھنائے ہوئے گھر سے نکل گئے۔ شام تک بھوک نے اتنا برا حال کر دیا کہ ہار کر گھر واپس آئے اور خاموشی سے کھانے کی چٹائی پر بیٹھ گئے۔ بیوی مطلب سمجھ گئی اور اس نے دال روٹی ان کے سامنے رکھ دی۔ پانڈے جی نے بحالت مجبوری اسی سے پیٹ کی آگ بجھائی۔

(۷) پانی پی کر ذات کیا پوچھنا: کسی کے گھر پانی پینے کے بعد اس کی ذات پوچھنا حماقت ہے۔ یعنی جب کسی کا حسن سلوک قبول کر لیا تو اس کی نسبت مین میخ نکالنا مناسب نہیں ہے۔

(۸) پانی سر سے اُونچا ہو گیا: یعنی معاملہ اب اپنے قابو اور اختیار سے باہر ہو گیا ہے۔

(۹) پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں: یعنی ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

(۱۰) پاؤں مین جوتی نہ سر پر ٹوپی: یعنی بالکل مفلس، قلّاش اور پھٹے حالوں ہیں۔

(۱۱) پاؤں رکھتے کہیں ہیں، پڑتا کہیں ہے: یعنی شدید کمزوری کا عالم ہے کہ قدم رکھنا کہیں چاہتے ہیں اور پڑتا کہیں اور ہے۔

(۱۲) پائے مرا لنگ نیست، ملک خدا تنگ نیست: یعنی نہ تو میں پیروں سے لنگڑا ہوں اور نہ ہی اللہ کی یہ دُنیا مجھ پر تنگ ہے۔ جب کسی کو خود اعتمادی اور خود اختیاری کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۳) پائی چیز، پرائی چیز: یعنی کوئی چیز پڑی مل جائے تو وہ پانے والے کی نہیں ہو جاتی۔ اس کا اصل مالک وہی رہتا ہے جس کے پاس سے وہ گر گئی تھی۔

(۱۴) پتا چلتا ہے پوری دیگ کا بس ایک چاول سے: یہ ایک شعر کا پہلا مصرع ہے ؎

پتا چلتا ہے پوری دیگ کا بس ایک چاول سے — اٹھا کر ایک قطرہ نبضِ طوفاں دیکھ لیتے ہیں

دیگ کے گلنے کا اندازہ ایک آدھ چاول سے ہو جاتا ہے۔اسی طرح آدمی کی خصلت بھی اس کی چھوٹی موٹی باتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۱۵) پتھر میں جونک نہیں لگتی :یعنی ظالم اور بد اطوار آدمی پر کسی بات کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

(۱۶) پتھر کی لکیر: نہ مٹنے والی بات، سدا قائم رہنے والی چیز۔

(۱۷) پتھر پوجے ہر ملے تو میں پوجوں پہاڑ: ہَر یعنی ہَری، بھگوان، خدا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پتھر پوجنے سے مجھ کو خدا مل جائے تو میں پہاڑ پوجنے کے لئے تیار ہوں۔ گویا پتھر پوجنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔

(۱۸) پتھر سے چکی بھلی، پیس کھلائے سنسار: صرف پتھر کسی کام کا نہیں ہوتا جب کہ چکی سے اناج پیس کر ایک دنیا فیض یاب ہوتی ہے۔چنانچہ ایسا شخص جو اپنی تعلیم و تربیت و طبیعت سے دوسروں کے کام آتا ہو اُس شخص سے بہتر ہے جو اَن گھڑ اور بے فیض ہے۔

(۱۹) پتہ کھڑکا اور دل دھڑکا: شدید خوف و ہراس میں آدمی پتہ کھڑکنے کی آواز سے بھی چونک جاتا ہے۔

(۲۰) پتھر تلے کا ہاتھ: بھاری پتھر کے نیچے ہاتھ دب جائے تو نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔چنانچہ یہ کہاوت انتہائی مجبوری و لاچاری ظاہر کرنے کے لئے بولی جاتی ہے۔

(۲۱) پرایا سیر پنسیری برابر : کلو گرام سے پہلے تولنے کے لئے سیر استعمال ہوتا تھا جو تقریباً آدھے کلو کے برابر تھا۔پنسیری یعنی پانچ سیر۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ دوسروں سے تھوڑا بہت بھی فائدہ حاصل ہو جائے تو اس کو بہت جاننا چاہئے۔

(۲۲) پرندہ پر نہیں مار سکتا : یعنی پابندیاں اتنی سخت ہیں کہ پرندہ بھی آنا چاہے تو نہیں آسکتا۔استعمال ظاہر ہے۔

(۲۳) پڑھیں فارسی بیچیں تیل : یعنی پڑھ لکھ کر تو عالم فاضل ہو گئے لیکن کام کرنے کے نام صفر ہے۔ تیل بیچنے سے تحقیر مراد ہے کہ ایسی تعلیم کس کام کی جس سے معاش کا انتظام بھی نہ ہو سکے۔

(۲۴) پڑوسن کے مینھ برسے گا تو اولتیاں ٹپکیں گی: اولتی بارش کی اس دھار کو کہتے ہیں جو چھت کے کنارے سے بارش میں ٹپکتی ہے۔اگر ہمسایہ میں بارش ہو تو اپنے گھر کی اولتیاں تو کم سے کم ٹپکیں گی ہی۔ کہاوت کا یہی مطلب ہے کہ دوستوں اور عزیزوں کو کوئی فائدہ ہو گا تو اس کا کچھ نہ کچھ حصہ قریبی لوگوں کو بھی مل سکتا ہے۔ محل استعمال اسی پر قیاس کر لیجئے۔

(۲۵) پڑھوں میں ان پڑھ جیسے بگلوں میں کوا : سفید خوبصورت بگلوں کے درمیان ایک کوّا آبیٹھے تو عجیب لگے گا ۔اسی طرح پڑھے لکھوں کے درمیان اَن پڑھ آدمی بھی بے جوڑ نظر آتا ہے۔

(۲۶) پڑھے نہ لکھے، نام محمد فاضل : یعنی ایسا آدمی جو مطلق جاہل ہو لیکن نام سے علم کا بادشاہ ظاہر ہو۔

(۲۷) پُن کی جڑ سدا ہری : پُن یعنی نیک کام۔ نیک کام ہمیشہ بار آور ہی رہتا ہے اور اس پر کبھی ادبار طاری نہیں ہوتا۔

(۲۸) پنچ ملے کیجئے کاج، جیتے ہارے نہ آوے لاج: پنچ ملے یعنی آپس کے مشورے سے۔ آپس کی صلاح مشورے سے کام کیا جائے تو ناکامی کی حالت میں کسی ایک شخص کو ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

(۲۹) پنچ کہیں بلّی تو بلّی ہی سہی: پنچ یعنی پنچایت کے اراکین۔ اگر لوگوں کی اکثریت کسی بات پر متفق ہو جائے تو غلط بات بھی سچ ہو جاتی ہے اور اس کو ماننا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص کے گھر میں رات کو چور گھس آیا اور کمرے میں چوری کرنے گیا۔ اس شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے چپکے سے کمرہ کی کنڈی باہر سے لگا دی کہ چور نکل کر بھاگ نہ سکے۔ چور نے گھبرا کر اس اُمید پر بلی کی طرح طرح میاؤں میاؤں کہنا شروع کیا کہ وہ شخص اسے بلی سمجھ کر دروازہ کھول دے گا اور وہ بھاگ نکلے گا۔ لیکن اُس شخص نے بلی کی آواز سن کر کہا کہ ''پنچ کہیں بلّی تو بلّی ہی سہی''، یعنی صبح ہونے دو تو پنچوں کو بلالوں گا۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ تو بلّی ہی ہے تو میں مان کر تجھ کو چھوڑ دوں گا۔

(۳۰) پوپلے سے ہڈی نہیں چبتی : پوپلا یعنی جس کے منھ میں دانت نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کمزور شخص سے مشکل کام کی اُمید فضول ہے۔

(۳۱) پوتڑوں کے امیر: یعنی پشتینی امیر، خاندانی امیر۔ پوتڑا بچپن کا استعارہ ہے یعنی کوئی آج کے امیر نہیں ہیں۔

(۳۲) پُوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں: پُوت یعنی بیٹا۔ پالنا یعنی جھولا۔ مطلب یہ ہے کہ بچہ کے مستقبل کے آثار شروع میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔

(۳۳) پہلے آؤ، پہلے پاؤ : دُنیا میں جو پہلے اپنا حق مانگے اُس کو مل جاتا ہے اور جو بعد میں آئے اس کو بعد میں ملتا ہے یا ملتا ہی نہیں ہے۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو کیا ہی خوبصورت انداز میں نظم کیا ہے ؎

یہ بزم مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی   جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے یہاں مینا اُسی کا ہے

(۳۴) پہلے لکھ اور پیچھے دے، پھر بھولے تو مجھ سے لے : ہر معاہدے کی باقاعدہ لکھا پڑھی ہونی چاہئے تاکہ غلط فہمی کا امکان ہی نہ رہے۔ چونکہ پیسہ کے لین دین میں زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس لئے یہاں اس کی مثال دی گئی ہے۔

(۳۵) پہلے گھر میں، پھر مسجد میں: یعنی جب اپنی اور اعزاوا قربا کی ضروریات پوری ہو جائیں تب خیرات یا داد و دہش کا رُخ باہر والوں کی جانب ہونا چاہئے۔

(۳۶) پھول باغ میں ہی خوب کھلتا ہے: یعنی ہر چیز اپنی جگہ ہی اچھی لگتی ہے۔ پھول باغ میں جتنا اچھا لگتا ہے اتنا گلدستہ میں نہیں لگتا۔

(۳۷) پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان: پھٹ پڑے یعنی لعنت ہے اس پر۔ ایسا بھاری زیور کس کام کا جس سے کان کی لوئیں پھٹ جائیں۔ کوئی بات بظاہر اچھی ہو لیکن اُس کے نتائج خوشگوار نہ ہوں تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۳۸) پھونک مارو تو اُڑ جائے: بہت نازک و ناتواں شخص کو کہتے ہیں۔

(۳۹) پھر ہوا پُھر: پھر یعنی جو بات کل پر ٹال دی جائے۔ پُھر یعنی جو چشم زدن میں اُڑ جائے۔ کل پر جو بات ٹال دی جائے وہ پوری نہیں ہوتی کیونکہ کل تو کبھی آتا ہی نہیں ہے۔

(۴۰) پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے: نہایت احتیاط کرتا ہے، ہوشیاری سے سوچ سمجھ کر کام کرتا ہے۔

(۴۱) پیا میرا اندھا، کس کے لئے کروں سنگھار: اگر شوہر نابینا ہو تو بیوی کا سنگھار کرنا بیکار ہے کیونکہ جس کے لئے بنا سنورا جاتا ہے وہ اس کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر لوگ کسی کے علم و فن سے بے بہرہ ہیں تو اُس کا اپنے علم و فن کا مظاہرہ کرنا بیکار ہے۔

(۴۲) پیسا رکھنے سے بڑھتا نہیں ہے: دولت کو تجوری میں بند رکھا جائے تو اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا البتہ تجارت اور لین دین سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی حال علم اور فن کا ہے کہ ان کو خود تک محدود رکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ دوسروں تک پہنچانے سے ان میں کمی کے بجائے مزید اضافہ ہوتا ہے۔

(۴۳) پیٹ میں پڑا چارہ، کودنے لگا بے چارہ: جانور کا پیٹ بھرا ہو تو اس کو کلیلیں سوجھتی ہیں۔ یہی حال آدمی کا ہے کہ پیٹ بھرے پر اُسے شرارت سوجھتی ہے۔ بھوک میں یہ خیال کہاں۔

(۴۴) پیٹ کا کتّا: جس کو ہر وقت اپنے فائدے کی ہی سوجھے۔ کُتّا کہنے سے تحقیر ظاہر ہوتی ہے۔

(۴۵) پیسہ تو رنڈی کے پاس بھی ہوتا ہے: بازاری کہاوت ہے۔ یعنی محض دولت مند ہونا شرافت کی نشانی نہیں ہے۔

(۴۶) پیش از مرگ واویلا: یعنی موت سے پہلے ہی ماتم۔ حادثہ ہونے سے قبل ہی خواہ مخواہ شور مچایا جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۴۷) پیٹ میں چھریاں بھری ہیں: چھری یعنی بغض و عناد۔ پیٹ میں بھری یعنی چھپی ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ دل بغض و عناد سے بھرا ہوا ہے۔

(۴۸) پیٹ میں پاﺅں ہیں : یعنی ظاہر میں جیسے نظر آرہے ہیں ویسے نہیں ہیں بلکہ اصلیت کچھ اور ہی ہے۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۴۹) پیٹ میں پڑے تو عبادت سوجھے: یعنی آدمی بھوکا ہو تو اس کو عبادت کا خیال نہیں آتا۔

(۵۰) پیٹ کے گُن کون جانے: پیٹ کے گُن یعنی اصل خصلت۔ آدمی کی جو عادتیں منظر عام پر نہ ہوں ان کو سوائے اللہ کے کون جانتا ہے۔ ظاہر حالات پر حقیقت کو قیاس کرنا دانش مندی نہیں ہے۔

(۵۱) پیروں میں مہندی لگائے بیٹھے ہیں: کوئی پیروں میں مہندی لگالے تو وہ اُس کے رنگ لانے تک چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے گا۔ کوئی شخص کہیں نہ جانے کے بہانے بنائے تو طنزاً یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۵۲) پیٹ میں سے پاﺅں نکالے : یعنی بڑے ہو کر انداز بدل گئے۔ یہ فقرہ ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو شروع میں بے ضرر دکھائی دے لیکن آگے چل کر اس کے چھپے ہوئے گُن سامنے آجائیں۔

(۵۳) پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا : ضرورت مند خود ہی ضرورت رفع کرنے والے کے پاس جاتا ہے۔ دوسرا شخص اُس کے پاس اپنی خدمت پیش کرنے نہیں آتا ہے۔

(۵۴) پیٹ میں داڑھی ہے : داڑھی عمر اور سمجھ کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ کوئی اپنی عمر سے زیادہ چالاکی دکھائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے یعنی اس کے ظاہر پر مت جاﺅ، یہ بچپن سے ہی چالاک ہے۔

----

(۵) ت۔ کی کہاوتیں:

(۱) تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مردہ شود : پہلے زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ سانپ کا زہر ایک دَوا تریاق سے زائل کیا جاسکتا ہے۔ کہاوت کا ترجمہ ہے کہ جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا، سانپ کا کاٹا ہوا آدمی مر چکا ہو گا۔ لفظ عراق، تریاق کا ہم قافیہ ہونے کی وجہ سے لایا گیا ہے اور دُور دَراز کے مقام کی علامت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کا خیال ہو کہ عراق کا تریاق سب سے اچھا اور زود اثر ہوتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی مسئلہ کے حل کے لئے دُور از کار باتیں اور کارروائی کروگے وہ مسئلہ ہاتھوں سے نکل چکا ہو گا۔ کسی کام میں فضول دیر لگائی جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۲) تدبیر کند بندہ، تقدیر زَند خندہ : انسان تدبیر کیا کرتا ہے اور تقدیر اُس پر ہنستی رہتی ہے۔ گویا کام کادارو مدار محض انسان کی تدبیر اور کوشش پر نہیں ہے بلکہ قسمت بھی کوئی قوت ہے جو تدبیر کو ناکام بنا کر اپنے فیصلے الگ ہی دیا کرتی ہے۔

(۳) تری آواز مکے اور مدینے : مبارکباد، شکریے اور دعا کے طور پر بولتے ہیں۔ یہ ایک شعر کادوسرا مصرع ہے:

مؤذن مرحبا بر وقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

(۴) تگنی کا ناچ نچادیا : بری طرح پریشان کیا، عاجز کر دیا۔

(۵) تل اوٹ، پہاڑ اوٹ: یعنی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے والی چیز چاہے تل ایسی چھوٹی چیز کے نیچے ہی دب جائے بہت جلد ذہن و دماغ سے ایسے اُتر جاتی ہے جیسے وہ کسی پہاڑ کے پیچھے غائب ہو گئی ہو۔ ''آنکھ اوٹ، پہاڑ اوٹ'' بھی اسی معنی میں کہتے ہیں۔

(٦) تل دھرنے کی جگہ نہیں: یعنی جم غفیر ہے، آدمی پر آدمی چڑھا ہوا ہے۔

(۷) تلوار کا زخم بھر جاتا ہے، بات کا نہیں بھرتا : بات کا زخم بھرنے کو ایک عمر چاہئے اور بعض اوقات یہ بھی ناکافی ہوتی ہے۔

(۸) تمھارے نیوتے کبھی نہیں کھائے: نیوتا یعنی دعوت۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس فقط باتیں ہی باتیں ہیں ۔جب وقت پڑتا ہے تو آپ کی تہی دامنی کھل جاتی ہے۔

(۹) تم روٹھے، ہم چھوٹے: یعنی اگر تم نے ہم سے آنکھیں پھیرلیں تو پھر ہمارا تمھارا ساتھ بھی ختم ہو جائے گا۔

(۱۰) تم اپنے حال میں مست، ہم اپنی کھال میں مست : یہ صبر و شکر کا اظہار بھی ہے اور ایسے شخص کی بات کا جواب بھی جو اپنی دولت کے نشہ میں دوسروں کو کم تر سمجھتا ہو۔

(۱۱) تمبا کو کا پنڈا ہے :پِنڈا یعنی بدن۔ تمبا کو کا پنڈا سیاہ فام شخص کو کہتے ہیں۔

(۱۲) تن سکھی تو من سکھی :یعنی اگر تندرستی ہے تو دل بھی بشاش رہتا ہے۔

(۱۳) تن پر نہیں لتّا، مسّی ملے البتہ : لتّا یعنی پھٹا پرانا کپڑا۔ مسّی ایک طرح کا سفوف ہوتا ہے جو پہلے زمانے میں عورتیں مسوڑھوں پر ملتی تھیں۔ اس سے مسوڑھے سیاہ ہو جاتے تھے۔ خیال یہ تھا کہ کالے مسوڑھوں میں چمکتے ہوئے دانت خوبصورتی میں اضافہ کریں گے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ مفلسی کا تو یہ حال ہے کہ تن ڈھکنے کو کپڑا میسر نہیں ہے لیکن دنیا کو دکھانے کے لئے مسّی کا سنگھار ضروری ہے۔ گویا کہاوت چھچھورے پن کی مذمت کر رہی ہے۔

(۱۴) تندرستی ہزار نعمت ہے : کہاوت کے معنی اور محل استعمال ظاہر ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر تندرستی نہ ہو تو دنیا کی ہر شے بے معنی اور بے مزا ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ سالکؔ لکھنوی کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے۔

تنگدستی اگر نہ ہو سالکؔ　　تندرستی ہزار نعمت ہے

(۱۵) تو بھی رانی میں بھی رانی، کون بھرے پنگھٹ کا پانی: جب کسی کام کی پیروی میں دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو کہ کون اس کو کرے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اگر دونوں ہی اس کام کو اپنی حیثیت سے کم جانیں تو وہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی بات کو کہاوت عورتوں کی زبان میں کہہ رہی ہے کہ جب دونوں عورتیں رانی ہیں تو بھلا پنگھٹ پر پانی بھرنے کون جائے گا؟

(۱۶) تو ڈال ڈال، میں پات پات: یعنی میں تجھ سے کم نہیں ہوں، اگر تیرا نام ہر شاخ پر لکھا ہے تو میرا نام ہر پتّے پر لکھا ہوا ہے۔

(۱۷) توَے کی بوند ہو گیا : جلتے توے پر پانی کی بوند ڈالئے تو وہ فوراً بھاپ بن کر اُڑ جاتی ہے گویا ایک بوند توے کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ اسی رعایت سے کہاوت ایسی چیز کے لئے بولی جاتی ہے جو مقدار میں ضرورت سے بہت کم ہو۔

(۱۸) توے کی تیری، ہاتھ کی میری : یعنی جو روٹی ابھی توے پر ہے وہ تیری ہے لیکن جو تیار ہو کر ہاتھ میں آ چکی وہ میری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ زیادہ فائدہ میرا اور تھوڑا تیرا۔ کہاوت خود غرض شخص کا حال بیان کر رہی ہے۔ اسی سے محل استعمال قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۱۹) تھکا اونٹ سرائے کو تکتا ہے: پرانے زمانے میں اونٹ سفر کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ریگستانی علاقوں میں اب بھی ہوتا ہے۔ مسافروں کے آرام کے لئے جابجا سرائے موجود تھیں جہاں کھانا پینا اور رات بسر کرنے کی سہولت کرایہ پر مل جاتی تھی۔ دن بھر سامان اور مسافر لاد کر سفر کرنے کے بعد تھکا ہارا اونٹ جب سرائے دیکھتا ہے تو منھ اٹھا اٹھا کر اسے تکتا ہے کہ اب تھوڑی دیر میں شاید آرام مل سکے گا۔ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب کوئی شخص زندگی کا سفر تقریباً مکمل کر چکا ہو اور خود کو موت کے قریب محسوس کرتا ہو۔

(۲۰) تھالی کا بینگن: تھالی میں رکھا ہوا بینگن تھالی کے ڈھال کے رُخ لڑھک جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ہمیشہ حالات کا رخ دیکھ کر اپنے مفاد یا دوسروں کی خوشنودی کے پیش نظر کام کرے تو اس کو ''تھالی کا بینگن'' کہتے ہیں۔

(۲۱) تُھوک سے ستّو نہیں سَنتا : تھوک سے بہت تھوڑی مقدار مراد ہے۔ بھنے ہوئے چاولوں یا چنوں کا آٹا ستّو کہلاتا ہے۔ غریب آدمی پانی میں گھول کر اور گڑ یا شکر سے اس کو میٹھا کر کے پیٹ بھر لیا کرتے ہیں۔ ستو سانے کے

لئے کافی پانی چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے کام کے لئے کوشش اور محنت بھی ایسی ہی ہونی چاہئے۔

(۲۲) تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو: یعنی ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے، بات تو پوری ہونے دو تب معلوم ہو گا۔

(۲۳) تین میں نہ تیرہ میں: یعنی کسی شمار میں نہیں ہیں۔ بے مصرف شخص کے لئے کہا جاتا ہے۔

(۲۴) تیری بات گدھے کی لات: تیری بات ایسی ہی ہے جیسی گدھے کی لات کہ نہ بات سمجھے اور نہ آدمی پہچانے، بس اندھا دھند چلا کرتی ہے۔ محل استعمال معنی سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۲۵) تیلی خصم کیا پھر بھی روکھا کھایا: خصم یعنی شوہر۔ تیلی شوہر سے امید ہوتی ہے کہ کھانا تیل میں تر ملا کرے گا لیکن اگر اس کے ہوتے ہوئے بھی روکھا سوکھا ہی ملے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ یعنی غلط کام بھی کیا اور مطلب پھر بھی پورا نہ ہوا۔ یہی کہاوت کا مطلب ہے۔

(۲۶) تیتر تو اپنی آئی مرا، تو کیوں مرا بٹیر: اپنی آئی مرا یعنی فطری موت کا شکار ہوا۔ گویا کہ تیتر تو اپنی فطری موت مر گیا لیکن اے بٹیر یہ بتا کہ تجھ کو کیا ہوا تھا جو تو بھی جان سے جاتا رہا؟ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب لوگ دوسروں کے مسائل میں خواہ مخواہ الجھ کر اپنے سر مصیبت مول لیتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں۔

(۲۷) تیسرے دن مردار حلال: فاقے کی حالت میں انسان کے لئے حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ تین دن فاقوں کی شرط کسی طبی یا سائنٹفک بنیاد پر نہیں قائم ہے۔ چونکہ فاقہ کی مدت کا تعین منظور تھا اس لئے تین دن کی مدت فرض کر لی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کمزور اور بیمار آدمی تین دن کا فاقہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ اس صورت میں تین دن سے مراد اتنی مدت ہو گی جتنی میں اُس کی جان جانے کا خطرہ ہو۔ یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب حالات انسان کو ہر طرح کا کام کرنے پر مجبور کر دیں۔

(۲۸) تین ٹانگ کا گھوڑا ہے: تین ٹانگ کا گھوڑا یعنی ناکارہ۔ یہ کہاوت ناکارہ اور بے فیض آدمی کے لئے کہی جاتی ہے۔

(۲۹) تیلی کا تیل جلے، مشعلچی کا دل: یعنی خرچ تو تیلی کا ہو رہا ہے اور دل جل رہا ہے مشعلچی کا جس کا کام صرف مشعل کو اٹھائے پھرنا ہے۔ زحمت اور خرچ کسی کا ہو رہا ہو لیکن اس کی تکلیف اور شکایت کسی لاتعلق شخص کو ہو تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۳۰) تیس مار خاں بنتے ہیں: عرف عام میں تیس مار خاں بہت بہادر آدمی کو کہتے ہیں یعنی جو تیس آدمیوں کو مارنے کی ہمت اور طاقت رکھتا ہو۔ یہ فقرہ ایسے شخص کے لئے طنزیہ استعمال کیا جاتا ہے جو ڈینگیں تو بہت مارتا ہو لیکن جس میں دم دُرود بالکل نہ ہو۔

(۳۱) تیل نہ مٹھائی چولھے چڑھی کڑھائی : یعنی کڑھائی تو چولھے پر چڑھار کھی ہے لیکن اس میں نہ تیل ہے اور نہ دوسرے لوازمات۔ گویا شور اور شیخی تو بہت ہے لیکن اصلیت کچھ بھی نہیں۔یہی کہاوت شیخی خور اور اپنے تئیں تیس مار خاں کے لئے کہی جاتی ہے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

(٦) ٹ۔ کی کہاوتیں:

(۱) ٹاٹ کا لنگوٹ، نواب سے یاری : یہ کہاوت اس شخص کے لئے کہتے ہیں جو قلاش ہو لیکن اپنی شیخی میں بڑے لوگوں سے دوستی کا دعویدار ہو۔

(۲) ٹائیں ٹائیں فِش: عوامی بول چال میں ایسے شور وغل کو کہتے ہیں جس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔

(۳) ٹَٹ پونجیا ہے: ٹَٹ یعنی ٹاٹ یا بوری۔پونجیا یعنی پونجی والا۔ کہاوت ایک شخص کے بارے میں کہہ رہی ہے کہ اس کی ساری پونجی ٹاٹ کے ایک ٹکڑے پر موقوف ہے گویا وہ ازحد مفلس اور قلاش ہے۔

(۴) ٹٹو کو کوڑا اور تازی کو اشارہ : ٹٹو یعنی چھوٹی نسل کا کمزور گھوڑا۔ تازی یعنی اعلیٰ نسل کا گھوڑا۔ ٹٹو کو ہانکنے کے لئے اس کو کوڑا لگانا ہوتا ہے جب کہ تازی گھوڑا مالک کے اشارہ پر چلتا ہے۔ گویا عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے جب کہ کم عقل مار سے بھی مشکل سے سمجھتا ہے۔

(۵) ٹکسال باہر ہے : ٹکسال میں جو سکّے ڈھلتے ہیں یا نوٹ چھاپے جاتے ہیں وہ مستند اور سچے ہوتے ہیں اور ملک میں رواج پاتے ہیں۔ ٹکسال باہر کے معنی خلاف رواج یا غیر مستند ہیں۔

(٦) ٹکے گز کی چال: یعنی نہایت سست رفتار۔اس کو میانہ رَوی اور کفایت شعاری کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔ ٹکا یعنی ایک روپیہ۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ اتنا سست رفتار کہ ایک روپیہ میں صرف ایک گز ہی چلتا ہے۔

(۷) ٹک ٹک دیدم، دَم نہ کشیدم: یہ کہاوت ہندوستانی اور فارسی الفاظ کو ملا کر بنائی گئی ہے۔ مطلب ہے حیرت سے دیکھتے رہ جانا اور دَم نہ مارنا۔

(۸) ٹھوکر کھاوے بُدھی پاوے :بُدھی یعنی عقل یا سمجھ۔ ٹھوکر کھا کر ہی سمجھ آتی ہے۔ تجربہ بہت بڑا معلم ہے۔

(۹) ٹیڑھے توے کی روٹی: توا اگر ٹیڑھا ہو گا تو روٹی گول اور سڈول نہیں بنے گی۔ بگڑی ہوئی چیز یا کام کے لئے یہ کہاوت بولتے ہیں۔

---

(۷) ث۔ کی کہاوتیں :

(۱) ثابت نہیں کان، بالیوں کا ارمان: یعنی کان تو کٹے پھٹے ہیں لیکن بالیاں پہننے کا شوق اپنی جگہ ہے۔ مطلب یہ کہ صلاحیت کچھ بھی نہیں لیکن خواب بڑے بڑے ہیں۔

(۲) ثواب نہ عذاب، کمر ٹوٹی مفت میں : یعنی محنت تو بہت کی لیکن سوائے تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

---

(۸)ج۔ کی کہاوتیں:

(۱) جاٹ مراتب جانئے جب تیرھویں ہو جائے: تیرھویں یعنی کسی کے مرنے کے تیرھویں دِن ہونے والی رسم۔ جاٹ بہت سخت جان اور جفا کش مشہور ہیں اس لئے ان کا نام لیا گیا ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ جب تک کسی معاملہ کی اچھی طرح تصدیق نہ ہو جائے اس پر یقین نہیں کرنا چاہئے اور تحقیق جاری رکھنی چاہئے۔ اس کہاوت کے پس منظر میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ ایک جاٹ نے ایک بنئے سے قرض لیا۔ وقت کے ساتھ سود کی وجہ سے قرض کی رقم بڑھتی گئی اور جاٹ کسی طرح اسے ادا نہ کر سکا۔ جب بنئے کے تقاضے بہت بڑھ گئے تو اس نے عاجز آ کر اپنی فرضی موت کی خبر بنئے تک پہنچادی۔ بنیا کف افسوس ملتارہ گیا۔ حادثہ کی تصدیق کے لئے وہ جاٹ کے گاؤں گیا اور اس کے گھر والوں سے تعزیت بھی کر آیا۔ سب نے اپنے عزیز کی موت پر بہت رنج کا اظہار کیا۔ اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد بنئے کو ایک قریبی گاؤں میں کسی کام سے جانا پڑا۔ وہاں اس نے بازار میں اُس جاٹ کو گھومتے پھرتے دیکھا تو بھوچکارہ گیا۔ لوگوں سے گھبرا کر پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ”شاہ جی! جاٹ مراتب جانئے جب تیرھویں ہو جائے۔“

(۲) جان بچی اور لاکھوں پائے: مشکل وقت میں جان بچ جائے تو یوں سمجھئے کہ لاکھوں روپے مل گئے۔ اسی کو ایک اور شکل میں بھی کہا جاتا ہے کہ ”جان بچی اور لاکھوں پائے، خیر سے بدّھو گھر کو آئے“۔

(۳) جان ہے تو جہان ہے: اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے ورنہ سب بیکار ہے۔ کہاوت کا مطلب اور محل استعمال

ظاہر ہے۔

(۴) جان نہ پہچان، بی بی جی سلام: بغیر کسی جان پہچان کے کوئی کسی سے قرابت جتانے لگے اور کسی صلہ کا اُمیدوار ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۵) جا کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے: سائیاں یعنی مالک یا خدا۔ جس کے سر پر اللہ کا سایہ ہو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اِس کی ایک اور شکل بھی عام ہے یعنی ''جسے اَللہ رکھے، اُسے کون چکھے؟''

(۶) جاٹ کی بیٹی برہمن کے گھر آئی: ہندوؤں میں جاٹ ذات نیچی اور برہمن اونچی مانی جاتی ہے۔ شادیاں اپنی ذات میں ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ کسی جاٹ کی بیٹی کا برہمن کی بہو بن جانا بہت بڑا سانحہ ہے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ نہایت کم حیثیت آدمی کو خوش قسمتی سے بڑے اور باعزت لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی۔

(۷) جان جائے پر آن نہ جائے: شریف لوگوں کو اپنی عزت جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ جان بھلے ہی چلی جائے لیکن عزت ہر حال میں محفوظ رہنی چاہئے۔

(۸) جب چنے تھے تب دانت نہ تھے، اب دانت ہیں تو چنے نہیں: زندگی میں ہمیشہ دن ایک سے نہیں رہتے۔ اس بات کو ایک مثال واضح کر رہی ہے کہ بچپن میں دانت نہیں تھے تو چنے میسر تھے اور اب جوانی میں منھ میں دانت ہیں تو چنے پاس نہیں ہیں۔

(۹) جتنا گُڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا: گُڑ یعنی کچی شکر۔ کوئی چیز بھی ہو اُس میں جس قدر گُڑ ڈالا جائے اُسی قدر وہ میٹھی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر کام میں جتنی زیادہ محنت کی جائے اس میں فائدہ اسی مناسبت سے ہوگا۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۱۰) جتنی دیگ اُتنی کُھرچن: چاول کی دیگ زیادہ پک جائے تو جو چاول جل کر اس کی تلی سے لگ جاتے ہیں ان کو کھرچن کہتے ہیں۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ کام جس قدر بڑا ہوگا اسی مناسبت سے اس میں خرابی ہو سکتی ہے۔

(۱۱) جتنا اوپر اُتنا ہی نیچے ہے: یعنی یہ شخص جس قدر ظاہر میں سیدھا سادا نظر آ رہا ہے اسی قدر باطن میں یہ تیز اور چالاک ہے۔

(۱۲) جتنی چادر ہو اتنے پانوں پھیلاؤ: یعنی اپنی حیثیت دیکھ کر خرچ کرو اور فضول خرچی سے بچو۔ بے جا اصراف میں نقصان ہی نقصان ہے۔

(۱۳) جتنا بینو اتنی ہی کرکری (یا کرکل) نکلتی ہے: بازار سے گیہوں، چاول وغیرہ لا کر اس میں سے کنکر، تنکے وغیرہ بینے جاتے ہیں اور اس کو قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ اس غلاظت کو کرکری یا کرکل کہتے ہیں۔ غلہ کو جتنا بینا جائے اُتنی ہی اس میں سے کرکل نکلے چلی جاتی ہے۔ ایک مناسب وقت کے بعد یہ کام ختم کر دینا چاہئے۔ اسی طرح

کسی شخص سے متعلق کوئی تحقیق کی جائے تو جتنے زیادہ آدمیوں سے پوچھا جائے گا اتنی ہی برائیاں ملنے کا امکان ہے۔ علیٰ ہٰذا لقیاس۔

(۱۴) جتنی دیگ اُتنی کھرچن : کام میں نفع اصل مال کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ زیادہ مال لگایا جائے گا یا زیادہ محنت کی جائے گی تو فائدہ بھی اسی مناسبت سے زیادہ ہو گا۔ کہاوت اسی جانب اشارہ کر رہی ہے

(۱۵) جتنے دم اُتنے غم: قانون قدرت ہے کہ جتنی لمبی زندگی ہو گی اتنے ہی زیادہ رنج اور مسائل بھی ہوں گے۔

(۱۶) جتنے منھ اتنی باتیں: جتنے لوگ ہوتے ہیں اتنی ہی طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں کیونکہ ہر شخص کی الگ رائے ہوتی ہے۔

(۱۷) جدھر رَب، اُدھر سب: آدمی ہر اُس فیصلہ کو قبول کرنے پر مجبور ہے جو قدرت کی جانب سے پیش آتا ہے۔ قانون قدرت سے لڑ کر بجز نقصان کے اَور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۸) جدھر مولا، اُدھر آصف الدولہ: اَودھ کے نواب آصف الدولہ اپنی داد و دہش کے لئے بہت مشہور تھے۔ ان کے لئے ایک اور کہاوت مستعمل ہے کہ ''جسے نہ دے مولا، اُسے دے آصف الدولہ۔'' اِس کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ آصف الدولہ بھی اللہ کی مرضی کا پابند ہے اور جتنا کسی کی قسمت میں لکھا ہے اس سے زیادہ وہ بھی نہیں دے سکتا۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک غریب آدمی دربار میں حاضر ہوا اور نواب صاحب سے مدد کا خواستگار ہوا۔ انھوں نے حکم دیا کہ ایک تھیلی میں روپے اور دوسری میں پیسے بھر کر اس آدمی کے سامنے رکھ دئے جائیں۔ اُس شخص سے ایک تھیلی منتخب کرنے کو کہا گیا۔ اس نے جو تھیلی چُنی اس میں پیسے تھے۔ نواب صاحب نے کہا کہ ''بھائی، یہ تمھاری قسمت کہ تم کو پیسے ملے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ جدھر مولا، اُدھر آصف الدولہ۔''

(۱۹) جدھر جلتا دیکھیں اُدھر تاپیں: کچھ لوگ کوئی کام تب ہی کرتے ہیں جب اس میں ان کے لئے فائدہ کی کوئی صورت ہو۔ ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جو وہیں ہاتھ تاپنے پہنچ جاتا ہے جدھر آگ جلتی ہوئی دیکھتا ہے چاہے وہ کسی کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۰) جس کا کھائے اسی کا بجائے: بجائے یعنی ڈھول بجائے۔ جو احسان کرے اسی کی تعریف اور طرفداری بھی کی جاتی ہے۔ اسی معنی میں ''جس کا کھائے اُسی کا گائے'' بھی کہا جاتا ہے۔

(۲۱) جس کو نہ دے مولا، اُسے دے آصف الدولہ: لکھنؤ کے بادشاہ نواب آصف الدولہ نہایت مخیر اور فیاض شخص تھے۔ یہ کہاوت اسی حقیقت کا اعتراف ہے کہ نواب آصف الدولہ کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔

(۲۲) جس کے پاس نہیں پیسا، وہ بھلا مانس کیسا: دُنیا میں امیروں کی سب عزت کرتے ہیں اور غریب کو کوئی نہیں

پوچھتااور دُنیااُس کو بھلامانس بھی ماننے سے انکار کرتی ہے۔

(۲۳) جس تھالی میں کھائیں اُسی میں چھید کریں: یعنی کسی کے احسان کا بدلہ اپنے محسن کو نقصان یا دکھ پہنچا کر نہیں دیناچاہئے۔ایسا کرنا جس تھالی میں کھارہے ہوں اُسی میں چھید کرنے کے برابر ہے۔

(۲۴) جس کی لاٹھی، اُس کی بھینس : بھینس کی ملکیت کے جھگڑے میں بھینس ہمیشہ وہ شخص ہی لے جاتا ہے جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے۔یہ دُنیاطاقت کی دُنیاہے، کمزوروں کا یہاں گزر نہیں۔اس کہاوت کے بارے میں ایک قصہ مشہور ہے۔ایک شخص اپنی بھینس لئے جنگل میں سے گزر رہاتھا کہ ایک چوراس کے سامنے آ گیااور لٹھ تان کر بھینس وہیں اس کے حوالے کر دینے کا حکم دیا۔اُس شخص نے ڈر کر بھینس کی رسّی چور کے حوالے کی اور گڑ گڑا کر بولا کہ ’’راستہ خطرناک ہے۔اگر اپنالٹھ مجھ کو دے دو تو میں خیریت سے گھر چلاجاؤں۔‘‘بے وقوف چور نے لاٹھی اُس کو دے دی۔لاٹھی لیتے ہی وہ شخص اُسے تان کر چور پر لپکا کہ ’’یہ بھینس یہیں رکھ دے ورنہ تیرا سر پھاڑ دوں گا۔‘‘چور نے گھبرا کر بھینس اس کے مالک کے حوالے کر دی اور وہاں سے بھاگ لیا۔

(۲۵) جس کا کام اُسی کو ساجھے، دوسرا بولے تو ڈنڈا باجے: ساجھنا یعنی بھلا لگنا۔مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو جس کام میں مہارت ہے وہی اس کو ٹھیک سے انجام دے سکتا ہے۔ کوئی دوسرا خواہ مخواہ اس میں گھسے گا تو نقصان اٹھائے گااور کام بھی خراب ہو گا۔

(۲۶) جس تن لاگے وہی جانے: تن یعنی جسم،لاگے سے مراد تکلیف یا چوٹ ہے۔یعنی جس پر برا وقت آتا ہے وہی اس کی زحمت کو خوب سمجھتا ہے۔باہر والوں کواس کا کم ہی علم ہوتا ہے۔

(۲۷) جسے پیا چاہے وہی سہاگن: جو بیوی اپنے شوہر کی چہیتی ہو گی وہی سہاگن کہلانے کی مستحق ہو گی۔اسی پر دوسری۔صورتوں کو قیاس کیاجا سکتا ہے جیسے استاد کا چہیتا شاگرد دوسرے شاگردوں کے لئے رشک کا باعث ہوتا ہے۔

(۲۸) جس کے نام کا ظہورا، اُسی کو گھاس کوڑا: ظہورا یعنی شہرت و ناموری۔مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی وجہ سے کسی کام میں ناموری اور شہرت حاصل ہو رہی ہے اس کی ہی کوئی وقعت اور عزت نہیں ہے۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۲۹) جس نے کی شرم، اُس کے پھوٹے کرم : کہاوتوں میں کبھی کبھی الفاظ کا تلفظ بدل دیا جاتا ہے۔جو لفظ جیسا عوام میں رائج ہوتا ہے اسی طرح کہاوت میں بھی آتا ہے۔یہاں کَرَم کی مناسبت سے شرَم (ر پر زبر کے ساتھ) کہا جائے گا۔ یعنی دُنیاایسی بے فیض جگہ ہے کہ یہاں جو اپنا حق مانگنے میں جھجھکتا ہے وہ عموماً خالی ہاتھ رہ جاتا ہے جب کہ منہ پھٹ اور بے شرم کواس کے حق سے زیادہ مل جاتا ہے۔اسی کیفیت کو شاعر نے یوں نظم کیا ہے ؎

یہ دَورِ مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی　　　　جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے یہاں میناُ اُسی کا ہے

(۳۰) جس راہ نہیں چلنا اُس کے کوس کیا گِننا: کوس یعنی دو میل۔ جس راستہ سفر ہی نہیں کرنا ہے اس کے کوس شمار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چنانچہ جو کام ہمیں کرنا ہی نہیں ہے اس کی تفصیلات جان کر کیا حاصل۔

(۳۱) جس کی دُم اٹھا کر دیکھا وہ نَر نکلا: اگر کسی نزاع میں دونوں فریق اپنی بات کی پخ میں بضد ہو کر کسی قسم کا سمجھوتا کرنے کو تیار نہ ہوں تو یہ کہاوت کا استعمال کی جاتی ہے کہ یہاں تو کسی مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص نَر ہے یعنی بر خود غلط اپنی بات پر اَڑا ہوا ہے۔

(۳۲) جس کے ہاتھ میں ڈوئی، اُسی کے سب کوئی: ڈوئی لکڑی کے بڑے چمچے کو کہتے ہیں۔ ڈوئی کھانا پکانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور ہر شخص اسی کی جانب نظر اٹھائے رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو صاحب اقتدار و اختیار ہوتا ہے اُسی سے لوگ اُمید رکھتے ہیں اور اُسی کے گُن گاتے ہیں۔ کہاوت انسان کی فطری خود غرضی کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۳۳) جلدی کا کام شیطان کا: کام سوچ سمجھ کر اور آگا پیچھا دیکھ کر کرنا چاہئے۔ جلدی میں جو فیصلہ کیا جائے وہ اکثر غلط ہوتا ہے۔

(۳۴) جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو: مشکل وقت کو ٹالنے کی خاطر بزرگ یہ کلمہ بطور دُعا پڑھتے ہیں۔

(۳۵) جلے پاؤں کی بلی: بلی کا پاؤں جل جائے تو وہ سخت اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ کسی شخص کو ایک جگہ قرار نہ ہو تو اس کے لئے یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۶) جُلاہا کیا جانے جَو کاٹ: یعنی جُلاہے کو کیا خبر کہ جَو کی فصل کیسے کاٹی جاتی ہے۔ جب کسی آدمی کے ذمہ ایسا کام کیا جائے جس کا اسے کوئی تجربہ نہیں ہے تب یہ کہاوت بولتے ہیں۔ اس کہاوت سے ایک حکایت منسوب ہے۔
ایک جولاہے نے ایک ساہوکار سے قرض لیا۔ وقت گزرتا گیا لیکن وہ اس کو ادا نہ کر سکا اور سود پر سود چڑھتا رہا۔ جب رقم بہت بڑھ گئی تو ساہوکار نے عاجز آ کر اس سے کہا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں کچھ کام کر دے۔ چنانچہ جولاہا راضی ہو گیا اور ساہوکار نے اُس کو اپنے کھیت میں جو کاٹنے کے کام پر بھیج دیا۔ جولاہے نے بھلا جو کا کھیت کب دیکھا تھا جو وہ فصل کاٹتا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتا تھا کہ سوت کی طرح کی کوئی چیز نظر آ جائے تو اپنا کام کرے۔ کسی نے اس کی یہ کس مپرسی کا عالم دیکھ کر یہ کہاوت کہی۔

(۳۷) جل کی مچھلی جل میں ہی بھلی: ہر چیز اپنے فطری ماحول میں ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، باہر نکل کر وہ بے جوڑ اور نامناسب لگتی ہے۔ کوئی بات معمول کے خلاف کی جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۸) جمعے کو نکاح، ہفتے کو طلاق: یعنی ابھی کام ہوا ہی تھا کہ فساد و نفاق کی نذر ہو گیا۔
(۳۹) جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ہے: یعنی ابھی بچے ہیں، نا تجربہ کاری کا عالم ہے۔
(۴۰) جنگل میں منگل ہونا : منگل ہونا یعنی خوشی منانا۔ جنگل ایسی جگہ کا استعارہ ہے جہاں کوئی جشن دیکھنے والا ہی نہیں ہے۔ کسی غیر معروف مقام پر اگر کوئی غیر معمولی خوشی واقع ہو تب یہ کہاوت کہتے ہیں۔
(۴۱) جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا : مور اپنی دُم پھیلا کر رقص کرتا ہے تو نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ جنگل میں ناچے جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو ایسا ناچ کس کام کا؟ چنانچہ اگر کوئی بہت اچھا کام ایسی جگہ کیا جائے جہاں اس کی قدر نہ ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔
(۴۲) جنم جنم کا ساتھ ہے: بچپن کا ساتھ ہے، ایک مدت سے یارانہ یا تعلق خاطر ہے۔
(۴۳) جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں: گرجتے بادلوں کے بارے میں غلط مشہور ہے کہ ان میں بارش نہیں ہوتی۔ اسی مناسبت سے جو آدمی بڑی گھن گرج سے غصہ ظاہر کرے وہ عام طور پر غصہ کرکے ہی رہ جاتا ہے، کرتا کچھ نہیں ہے۔
(۴۴) جوں جوں چڑیا موٹی اُتنی چونچ چھوٹی: یہ عام مشاہدہ ہے کہ اگر چڑیا کھا پی کر موٹی ہو جائے تو اس کی چونچ جسم کے مقابلہ میں چھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے دل کے آدمی کو اگر دولت مل جائے تو وہ دولت کے بڑھنے کے ساتھ اتنا ہی کنجوس بھی ہوتا جاتا ہے۔
(۴۵) جو بویا سو کاٹا : جیسا بیج بویا جائے ویسی ہی فصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جیسا کام کیا جائے اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔
(۴۶) جو بِندھ گیا سو موتی : جو چیز کام آجائے وہ اچھی۔ ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کام نہ آسکے اس کی کوئی قیمت نہیں۔
(۴۷) جوانی اور مانجھا ڈھیلا : پتنگ باز اُبلے اور پسے ہوئے چاولوں میں بہت باریک پسا ہوا شیشہ ملا کر اس کی "لُگدی" بنا لیتے ہیں جس سے پتنگ کی ڈور کو سُوت کر اس پر باریک شیشہ کی دھار لگائی جاتی ہے۔ ایسی ڈور کو مانجھا کہتے ہیں۔ پتنگ بازی کے مقابلہ میں پتنگ باز حریف کی ڈور کو اپنی دھاردار ڈور سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی کا مانجھا ڈھیلا ہو یعنی پتنگ کی اُڑان نے اُس کو کھینچ کر کس نہ دیا ہو تو اس کے کٹنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے اگر کوئی شخص دیکھنے میں تو جوان و تنومند ہو لیکن ہمت کا کمزور ہو تو اس سے کہتے ہیں کہ "جوانی اور مانجھا ڈھیلا؟" یعنی دیکھنے میں تو اتنے مضبوط ہو لیکن ہمت کا یہ عالم ہے۔
(۴۸) جو یندہ یابندہ : یعنی جو ڈھونڈتا ہے وہی پاتا ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کوشش اور زحمت ضروری

ہے۔اسی بات کو ایک دوسری کہاوت اس طرح ادا کرتی ہے کہ ’’ڈھونڈے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے‘‘۔

(۴۹) جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے: یعنی آپس میں جھگڑا اور گالم گلوچ ہو رہا ہے۔ یہ کہاوت عام طور پر عزیزوں کے جھگڑے کے وقت کہی جاتی ہے۔ جوتیوں میں دال بٹنے کی منطق معلوم نہیں ہو سکی۔

(۵۰) جوتے ہل تو پاوے پھل: یعنی محنت رائگاں نہیں جاتی اور اُس کا پھل ہمیشہ ملتا ہے۔

(۵۱) جو جاگے گا سو پاوے گا، جو سووے گا سو کھوئے گا: کہاوت کے معنی اور محل استعمال ظاہر ہیں۔ کامیابی اسی کو ملتی ہے جو سوچ سمجھ کر کام کرتا ہے۔ جو شخص غفلت اور کاہلی کا شکار ہو اس کو عام طور پر ناکامی کا ہی منھ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۵۲) جواب جاہلاں باشد خموشی: یعنی جاہلوں کا جواب خاموشی سے دینا بہتر ہے۔ وہ عقل کی بات سمجھ نہیں سکتے اور اگر تھوڑی بہت سمجھ بھی لیں تو ماننے کو تیار نہیں ہوں گے اس لئے بہتر ہے کہ خاموشی سے کام لیا جائے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۵۳) جوں کی چال: جوں رینگتی ہے۔اسی مناسبت سے سست رفتاری کو جوں کی چال کہتے ہیں۔

(۵۴) جہاں کا مردہ ہوتا ہے وہیں گڑتا ہے: یعنی ہر ایک کو اپنے کئے کا پھل مل کر رہتا ہے۔ برا کرنے والا آخر کار اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

(۵۵) جہاں مرغ نہیں بولتا وہاں کیا صبح نہیں ہوتی: قصہ مشہور ہے کہ ایک گاؤں میں ایک ہی شخص کے پاس مرغ تھا جو روز صبح اذان دیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ گاؤں والوں کی کسی بات سے وہ شخص خفا ہو گیا اور اپنا مرغ بغل میں دبا کر یہ کہتا ہوا وہاں سے چلتا بنا کہ جب کل سے میرا مرغ اذان نہیں دے گا تو گاؤں میں صبح ہی نہیں ہو گی۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ کوئی کام کسی پر موقوف نہیں ہے اور بہر کیف ہو ہی جاتا ہے۔

(۵۶) جہاں گڑھا ہو گا وہاں پانی مرے گا: یعنی جو غلط کار ہو گا لوگ اس کی جانب ضرور انگلیاں اٹھائیں گے۔اسی مناسبت سے کہاوت کا عام مطلب یہ ہے کہ جہاں جو عیب یا کمی ہو گی خلقت اس کی گرفت ضرور کرے گی۔

(۵۷) جہاں چار برتن ہوں کھڑکتے ہی ہیں: یعنی جس جگہ دس پانچ آدمی موجود ہوں گے وہاں اختلاف رائے اور آپس کے جھگڑے ضرور ہوں گے بالکل اسی طرح جیسے چار برتنوں کا آپس میں کھڑکنا فطری بات ہے۔

(۵۸) جہاں دیکھیں تَوا پَرات، وہاں ناچیں ساری رات: توا روٹی پکانے میں استعمال ہوتا ہے۔ پَرات یعنی بڑا طباق یا طشتری۔ گویا جہاں سے کچھ ملنے کی اُمید ہوتی ہے لوگ وہیں مجمع لگاتے ہیں اور وہیں کے گن گاتے ہیں۔ جہاں سے کوئی امید نہ ہو وہاں کوئی کیوں جائے گا۔

(۵۹) جھوٹے کے آگے سچا مرتا ہے : دُنیا کا دستور ہے کہ جھوٹے آدمی سے سچا آدمی عام طور پر ہار جاتا ہے۔

(٦٠) جیسے کو تیسا: جو شخص جیسا ہوتا ہے ویسا ہی اُس کے سامنے آتا ہے۔اس کو جیسی کرنی ویسی بھرنی بھی کہتے ہیں۔اس کہاوت سے متعلق ایک حکایت ہے۔ایک راجا کا ہاتھی پانی پینے کے لئے روزانہ صبح تالاب پر لے جایا جاتا تھا۔راستہ میں ایک درزی کی دوکان پڑتی تھی۔ہاتھی روزانہ اس کی دوکان میں اپنی سونڈ بڑھا دیتا اور درزی اسے کیلا یا کھانے کی کوئی اور چیز دے دیتا تھا۔یہ دوستی کچھ دن ایسے ہی چلتی رہی۔ایک دن دَرزی کے بجائے اس کا لڑکا دوکان پر بیٹھا تھا۔ہاتھی نے ہمیشہ کی طرح جب دوکان میں سونڈ بڑھائی تو لڑکے نے شرارت سے کیلا دینے کے بجائے اس میں سوئی چبھو دی۔ہاتھی تالاب سے لوٹا تو اپنی سونڈ میں بہت سا پانی بھر لایا اور دوکان میں سونڈ ڈال کر درزی کے لڑکے پر زور سے دھار مار کر اسے شرابور کر دیا۔اس طرح جیسا اس لڑکے نے کیا تھا ویسا ہی اس کے ساتھ ہوا۔

(٦١) جیسے کو تیسا ملا : یہ کہاوت ایک فرضی قصہ پر مبنی ہے۔ ایک لومڑی اور ایک سارس کی دوستی تھی۔ایک دن لومڑی نے سارس کو اپنے گھر کھانے پر بلایا اور جب وہ آیا تو اس کے سامنے ایک رکابی میں گوشت کا شوربہ رکھ دیا۔خود تو اپنی رکابی وہ زبان سے لپ لپ کر کے چاٹ گئی لیکن غریب سارس کو ایک بوند شوربہ بھی نصیب نہ ہوا۔اُس نے لومڑی کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے دن اُسے اپنے گھر کھانے پر آنے کی جوابی دعوت دی۔جب لومڑی وہاں پہنچی تو سارس نے ایک لمبی گردن کی صراحی میں گوشت کا شوربہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔وہ خود تو اپنی صراحی کا شوربہ اپنی لمبی چونچ ڈال ڈال کر پی گیا لیکن لومڑی کو ایک بوند شوربہ بھی نہ ملا۔اسی کو جیسے کو تیسا کہتے ہیں۔

(٦٢) جیسا منھ ویسا تھپڑ: یعنی جیسا فضول یا گھٹیا سوال تھا ویسا ہی جواب مل گیا۔یہ کہاوت جیسا جرم ویسی ہی سزا کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

(٦٣) جیسے منھ میں دانت ہی نہیں ہیں: بچہ کے منھ میں دانت نہیں ہوتے اور اس میں سمجھ بھی بہت کم ہوتی ہے۔کوئی شخص خود کو
لاعلم اور معصوم ظاہر کرے جب کہ وہ معاملہ سے واقف ہو تو یہ کہاوت طنزاً بولی جاتی ہے۔

(٦٤) جیسا راجا ویسی پرجا : پرجا یعنی رعایا۔جیسا حاکم ہوگا ویسی ہی اس کی رعایا بھی ہوگی کیونکہ رعایا کو بہر کیف اپنے حاکم کو خوش رکھنا ہے۔نیک حاکم کی رعایا بھی زیادہ تر نیک ہوتی ہے جب کہ بدقماش حاکم کی رعیت بدنیتی کی طرف مائل ہوتی ہے۔

(٦٥) جیسی کرنی، ویسی بھرنی : یعنی جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ بھی سامنے آئے گا۔

(٦٦) جیب میں نہیں کھَل کی ڈلی، چھیلا پھرے گلی گلی : کھَل یعنی کھلی یا کولھو کی تلچھٹ جو جانوروں کو

کھلائی جاتی ہے۔ چھیلا یعنی مغرور اور نمائشی آدمی۔ مطلب یہ ہے کہ جیب تو خالی ہے لیکن گلی گلی شیخی بگھارتے گھوما جا رہا ہے جیسے بہت بڑی اوقات ہو۔ یہ کہاوت چھچھورے آدمی پر طنز ہے۔

(۶۷) جیتی مکھی نہیں نگلی جاتی: کھانے پینے کی چیز میں مکھی گر جائے تو بہت کراہیت ہوتی ہے۔ کسی کام میں اگر کوئی کریہہ خرابی نظر آجائے تو اس کا مناسب تدارک کیا جانا چاہئے یا اس سے مکمل احتراز۔ جانتے بوجھتے کام خراب کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

(۶۸) جیون دھوپ چھاؤں کا میلا ہے: زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ یہ ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ کبھی یہاں دھوپ ہوتی ہے اور کبھی چھاؤں یعنی زندگی میں نرم و گرم چلتا ہی رہتا ہے۔

(۶۹) جیسا دیس ویسا بھیس: آدمی جہاں رہتا ہو وہاں کے حالات سے سمجھوتا کر کے وہیں کے طور طریقے اختیار کر لینا چاہئیں ورنہ ہمیشہ غیر سمجھا جائے گا اور تکلیف اٹھائے گا۔

----

(۹) چ۔ کی کہاوتیں:

(۱) چاندی کی رِیت نہیں، سونے کی توفیق نہیں: رِیت یعنی دستور۔ یعنی وہ وقت آ گیا ہے کہ دینے دلانے کے لئے چاندی کا دستور نہیں رہا کیونکہ وہ سستی ہوتی ہے اور سونا اتنا مہنگا ہے کہ خریدنے کی ہمت نہیں۔ یہ کہاوت اس وقت کہی جاتی ہے جب کسی کو چھوٹا موٹا تحفہ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور مہنگا تحفہ خریدنا اپنی مقدرت میں نہیں ہوتا۔

(۲) چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات: پورا چاند بہت کم وقت کے لئے نکلتا ہے جب کہ اس کے بعد آنے والی اندھیری رات لمبی ہوتی ہے۔ زندگی کی خوشیاں بھی ایسی ہی کم مدت کے لئے ہوتی ہیں اور انسانی مشکلات کی مدت طویل ہوتی ہے۔ کہاوت میں عبرت کے ساتھ یہ تنبیہہ بھی ہے کہ زندگی کی چار دن کی چاندنی سے جس قدر لطف اندوز ہوا جاسکے اچھا ہے کیونکہ اس کے بعد معلوم نہیں اندھیری رات میں کیا پیش آئے۔ کسی کی شہرت یا دولت کی بے ثباتی کو ظاہر کرنا ہو تو بھی یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۳) چادر دیکھ کر پیر پھیلاؤ: دیکھئے ''جتنی چادر ہو اُتنے پانو پھیلانا چاہئے۔''

(۴) چار اَبرو صاف : دنیا کے علائق کو ترک کرنے کی علامت کے طور پر بعض فقیر سر کے بال، ابرو، مونچھیں اور داڑھی منڈا لیتے ہیں۔ اسی کو چار ابرو صاف کرنا کہتے ہیں گویا دنیا چھوڑ دی ہے۔

(۵) چاند پر تھوکنا : اگر چاند کی جانب منھ کرکے تھوکا جائے تو تھوک خود اپنے اوپر ہی آگرتا ہے۔ گویا یہاں یہ تنبیہہ مقصود ہے کہ اپنے سے بڑے شخص کی برائی سے بچنا چاہئے کیونکہ اس کے خراب نتائج برائی کرنے والے شخص کو ہی بھگتنے پڑتے ہیں۔

(۶) چار چاند لگ گئے: یعنی رونق اور شان بڑھ گئی۔

(۷) چاندی کی جوتی: رِشوت کو چاندی کی جوتی کہا جاتا ہے کیونکہ کسی کو رشوت دینا دراصل اس کو جوتے سے مارنے اور بے عزت کرنے کے مترادف ہے۔ چونکہ چاندی کے روپے رشوت میں دئے جارہے ہیں اس لئے یہ جوتی چاندی کی ہے۔

(۸) چاک اُترا پھر نہیں چڑھتا: چاک یعنی لوہے کا وہ چکر جو بیل گاڑی کے پہیے پر چڑھایا جاتا ہے۔ چاک ایک مرتبہ اتر جائے تو پھر نہیں چڑھایا جاسکتا۔ اسی مناسبت سے اگر کوئی کام ایسا بگڑے کہ اصلاح کے قابل نہ رہے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۹) چام پیارا نہیں کام پیارا ہے : چام یعنی چمڑی یا جسم کی کھال۔ لوگوں کو کام عزیز ہوتا ہے نہ کہ کام کرنے والا۔

(۱۰) چپ کی داد خدا کے ہاں: اگر کسی پر ظلم ہو اور وہ صبر سے اُسے برداشت کرلے تو کہتے ہیں کہ اس کی خاموشی کا صلا اللہ کے یہاں ملے گا۔ کمزور اور غریب آدمی کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرکے چپ ہو رہے۔

(۱۱) چپے بھر کوٹھری، میاں محلہ دار : یعنی حیثیت تو اتنی مختصر ہے لیکن باتیں بڑی بڑی ہیں جیسے کسی چھوٹی سی کوٹھری کا مالک خود کو سارے محلہ کے سربراہ کی حیثیت سے پیش کرے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۲) چُپ شاہ کا روزہ رکھا ہے: لوگ عقیدتاً مختلف بزرگوں کے نام سے منتوں کے روزے رکھتے ہیں۔ کوئی شخص چپ سادھ لے اور ہر بات کا جواب اس کے پاس خاموشی ہو تو طنزیہ کہتے ہیں کہ اس نے چپ شاہ کا روزہ رکھ چھوڑا ہے۔

(۱۳) چت بھی میرا، پَٹ بھی میرا، دونوں میرے باپ کے: سکّے کے ایک رُخ کو چت اور دوسرے کو پَٹ کہتے ہیں۔ کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لئے سکّہ اُچھالا جاتا ہے۔ اگر فریقین میں سے ایک زیادہ طاقتور ہو تو وہ ہر صورت میں اپنی طاقت کے بل پر جیت جاتا ہے اور علی الاعلان جیتتا ہے۔ کہاوت اسی صورت کو ظاہر کررہی ہے۔ اسے ''زبردست کا ٹھینگا سر پر'' بھی کہتے ہیں۔

(۱۴) چٹ روٹی پٹ دال : یعنی اِدھر روٹی تیار ہوئی اور اُدھر فوراً دال بھی بن گئی گویا اول تا آخر معاملہ آناً فاناً نمٹ گیا۔

(۱۵) چٹ منگنی پٹ بیاہ : منگنی اور شادی کے درمیان عموماً کچھ دنوں کا وقفہ ہوتا ہے۔ منگنی کے فوراً بعد ہی بیاہ کسی غیر معمولی وجہ کی بنا پر ہوتا ہے۔ چٹ پٹ یعنی فوراً۔ اگر دو کام یکے بعد دیگرے غیر معمولی جلد بازی سے انجام دیئے جائیں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۶) چراغ سے چراغ جلتا ہے: پرانے زمانے میں گھر چراغ سے روشن کئے جاتے تھے۔ ایک چراغ جلا کر اُس کی لو سے دوسرے جلائے جاتے تھے۔ اس پس منظر میں کہاوت کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص سے فیض اور علم دوسروں تک پہنچتا ہے۔

(۱۷) چراعاقل کند کارے کہ باز آید پشیمانی : یعنی عقل مند آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے کہ بعد میں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔ کہاوت میں تاکید و ترغیب ہے کہ ہر کام آگا پیچھا سوچ کر کرنا چاہئے۔

(۱۸) چراغ گل پگڑی غائب: یعنی لاقانونیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اِدھر اندھیرا ہوا اور اُدھر کسی اور چیز کا تو ذکر ہی کیا سر سے پگڑی بھی چوری ہو گئی۔

(۱۹) چراغ تلے اندھیرا: پرانے زمانے میں گھروں میں رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ چراغ کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے جب کہ وہ سارے گھر کو روشن کرتا ہے۔ اسی رعایت سے اگر کسی شخص سے ساری دُنیا کو فیض پہنچے لیکن اس کے قریب کے لوگ محروم رہیں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اس کا پس منظر ایک حکایت بیان کرتی ہے۔ ایک سوداگر سفر کرتا ہوا ایک بادشاہ کے قلعہ کے پاس پہنچا تو رات ہو چکی تھی اور قلعہ کا دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔ اس نے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں رات گزارنے کی ٹھانی کہ بادشاہ کے ڈر سے یہاں کوئی بدمعاش ہمت نہیں کرے گا۔ رات کو چور اس کا سارا سامان چرا کر رفوچکر ہو گئے۔ صبح سوداگر اٹھا تو اپنی بدحالی کی فریاد لے کر بادشاہ کے سامنے گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ ”تم قلعہ سے باہر کھلے میدان میں آخر سوئے ہی کیوں؟“ اُس نے عرض کیا کہ ”حضور! مجھ کو اطمینان تھا کہ آپ کا اقبال میری حفاظت کرے گا اور کسی کو مجھے لوٹنے کی ہمت نہ ہو گی۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے۔“

(۲۰) چرسی یار کس کے، دم لگایا کھسکے: چرسی یعنی چرس کا نشہ کرنے والے۔ چرسی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ انھیں تو بس چرس کا دم لگانے سے مطلب ہوتا ہے۔ جہاں یہ پورا ہوا پھر وہ کسی کے نہیں۔ یہ کہاوت مطلبی اور خود غرض شخص کے لئے بولی جاتی ہے۔

(۲۱) چڑھتے سورج کو سب پوجتے ہیں: سورج کی پرستش صبح کے وقت ہی کی جاتی ہے۔شام کو جب سورج ڈوب رہا ہو تو کوئی اس کو نہیں پوجتا کیونکہ وہ زوال کی نشانی ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی صرف اُسی شخص کا دم بھرتا ہے جس کا ستارہ عروج پر ہو۔ کسی شکست خوردہ اور زوال پذیر شخص کی جانب کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

(۲۲) چڑھ جا بیٹا سُولی پر، رام بھلی کرے گا : سُولی یعنی پھانسی کا تختہ۔یہ جملہ لوگ تب کہتے ہیں جب کوئی مشکل کام کرنا ہو لیکن اس کو خود انجام دینے کے بجائے کسی اور کو تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔رام بھلی کرے گا یعنی اللہ حافظ و ناصر ہے۔

(۲۳) چشم بد دُور : یہ دُعائیہ فقرہ ہے جو کسی عزیز کو بری نظر سے بچانے کی خاطر کہا جاتا ہے۔

(۲۴) چکنا گھڑا ہے: چکنے گھڑے پر پانی نہیں ٹھیرتا ہے۔اسی مناسبت سے بے غیرت آدمی کو چکنا گھڑا کہا جاتا ہے کیونکہ اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

(۲۵) چلتی کا نام گاڑی ہے: یعنی جیسے تیسے کام چل ہی رہا ہے سواِسی پر صبر کر لینا چاہئے۔

(۲۶) چمڑی چلی جائے دمڑی نہ جائے: چمڑی یعنی بدن کی کھال۔دمڑی پہلے زمانے میں پیسے کے ایک بہت چھوٹے حصہ کو کہتے تھے۔اب یہ بے وقعتی کے استعارے کے طور پر بولی جاتی ہے۔ کہاوت میں انتہائی کنجوس آدمی کا ذکر ہے جو ایک دمڑی بھی ہاتھ سے دینے کو تیار نہیں ہے چاہے اس کی پاداش میں اس کی کھال ہی کیوں نہ کھینچ لی جائے۔

(۲۷) چندے آفتاب، چندے ماہتاب: چانداور سورج کی طرح روشن اور خوب صورت۔

(۲۸) چنڈو خانے کی گپ : یعنی بے پر کی خبر، بے بنیاد بات جیسی چنڈو خانے میں لوگ نشہ میں آکر کیا کرتے ہیں۔

(۲۹) چوری اور سینہ زوری: سینہ زوری یعنی بے حیائی۔ایک تو چوری کی اور اوپر سے اپنی حرکت پر شرم بھی نہیں آتی۔

(۳۰) چور کو چور ہی سوجھتا ہے: یعنی چور دوسروں کو بھی چور سمجھتا ہے۔انسان کی فطرت ہے کہ وہ سب کو اپنی ہی طرح سمجھتا ہے۔

(۳۱) چو مکھی لڑتا ہے: چاروں جانب سے دشمنوں کے حملے کا مقابلہ کرتا ہے۔لڑنے میں بہت تیز اور بہادر ہے۔

(۳۲) چوری کا گڑ میٹھا : یوں تو گڑ میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر چوری سے حاصل کیا جائے تو کچھ زیادہ ہی میٹھا محسوس ہوتا ہے۔یعنی جو فائدہ بھی ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جائے وہ زیادہ پر لطف لگتا ہے۔

(۳۳) چور اور لٹھ دو جنے، ہم باپ پوت اکیلے : جنے یعنی لوگ۔ جب کوئی شخص اپنے دفاع میں فضول اور بے تکی تاویل پیش کرے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اس کہاوت سے ایک قصہ منسوب ہے۔ ایک شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ کہیں جارہا تھا۔ ایک سنسان جگہ میں اچانک ایک لٹھ بند چور سامنے آگیا اور دھمکی دے کر اُس کا سارا سامان چھین لیا۔ جب وہ شخص اپنے گاؤں پہنچا اور لوگوں کو قصہ سنایا تو انھوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ایسا کیسے ہو گیا۔ اس آدمی نے یہ کہاوت کہی یعنی ''چور اور اُس کا لٹھ تو دو تھے اور ہم باپ بیٹے اکیلے۔ پھر بھلا دو کے آگے ہم ایک کیا کر سکتے تھے۔''

(۳۴) چور کو کھٹکے کا ڈر : چوری کرتے وقت چور کے کان کھڑے رہتے ہیں۔ اِدھر ذرا سا کھٹکا ہوا اور اُدھر وہ رفو چکر ہوا۔ یعنی غلط کام کرنے والا چوکنا رہتا ہے اور اُس پر ایک اضطراری کیفیت طاری رہتی ہے۔

(۳۵) چور کے پاؤں کہاں: یہ کہاوت بھی چور کی حالت بیان کر رہی ہے جو ذرا سی آہٹ پاتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

(۳۶) چُونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ: چونی یعنی بھوسی جانوروں کو کھلائی جاتی ہے۔ کوئی شخص اس کو گھی تو کیا کسی چیز سے بھی نہیں کھاتا۔ اگر کوئی بے وقعت شخص اس کی اُمید کرے کہ اس کو بھی بڑے لوگوں کے برابر جگہ دی جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۳۷) چولی دامن کا ساتھ : پہلے زمانے میں خواتین اپنے دوپٹہ کا پلو قمیص کے گلے میں اُڑس لیتی تھیں تاکہ وہ کسی اور چیز میں اُلجھ کر اُن کی بے پردگی کا باعث نہ ہو۔ یہ گویا چولی دامن کا ساتھ ہوا جو انتہائی قربت کی نشانی ہے۔ یہ کہاوت دو چیزوں کی انتہائی قربت کو ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً غزل اور محبت کے جذبات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(۳۸) چور کا بھائی اٹھائی گیرہ : اٹھائی گیرہ یعنی جو نظر بچا کر مال لے اُڑے۔ چور اور اٹھائی گیرہ ایک ہی برادری کے فرد ہیں۔ دو بد قماش اور بد اطوار آدمی یکجا ہو جائیں تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۳۹) چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا : یعنی پرانی عادتیں اور خاص کر بُری عادتیں آسانی سے نہیں چھٹتی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چور اپنی چوری کی عادت بھلے ہی چھوڑ دے لیکن ادھر اُدھر دیکھنا بھالنا اور موقعے تاڑنا اس سے نہیں چھوٹتا۔ اس کہاوت کے پس منظر کے طور پر ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ ایک چور نے آخری عمر میں چوری سے توبہ کر لی اور اللہ کی یاد میں باقی زندگی بسر کرنے کی ٹھانی۔ وہ فقیروں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا اور عبادات میں لگ گیا لیکن چوری کی پرانی عادت رہ رہ کر اس کو پریشان کرتی تھی۔ چنانچہ جب سب فقیر سو جاتے تو راتوں کو وہ اٹھ کر چپکے چپکے ان کی جھولیاں ٹٹولا کرتا تھا۔ ایک دن ایک فقیر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جو اپنے ساتھی

کو جھولیاں ٹٹولتے دیکھا تو یہ کہاوت کہی۔

(۴۰) چور کی داڑھی میں تنکا : روایت ہے کہ ایک قاضی صاحب کے سامنے چوری کا مقدمہ پیش کیا گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے چوری کی تھی لیکن کوئی اقبالِ جرم کے لئے تیار نہیں تھا۔ قاضی صاحب نے اعلان کیا کہ ’’میں ایک ایسی دُعا جانتا ہوں جس کے اثر سے چور کی داڑھی میں خود بخود ایک تنکا پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کو پہچانا جا سکتا ہے‘‘۔ یہ کہہ کر انہوں نے بظاہر نہایت خضوع و خشوع سے کوئی دُعا پڑھنی شروع کی۔ اس دوران میں سب کی نظریں بچا کر ایک شخص چپکے چپکے اپنی داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا جیسے تنکا نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ قاضی صاحب تو تاک میں تھے ہی لہٰذہ فوراً اس شخص کو پکڑ لیا گیا اور اس نے اقبالِ جرم کر لیا۔ کہاوت کے معنی یہ ہوئے کہ مجرم کے دل کا چور کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

(۴۱) چہ دلاور است دُزدے کہ کفِ چراغ دارد : یعنی چور کی ہمت تو دیکھو کہ ہتھیلی پر چراغ لے کر چوری کرنے آیا ہے۔ یہ کہاوت تب کہتے ہیں جب کوئی شخص کھلم کھلا غلط کام کرے اور اسے پکڑے جانے کا کوئی خوف یا شرم نہ ہو۔

(۴۲) چھکّے چھوٹ گئے: ہمت ٹوٹ گئی، خوف و ہراس پھیل گیا۔

(۴۳) چھوٹا منھ بڑی بات : یعنی کم حیثیت کا ہوتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کرنا۔ یہ فقرہ لوگ انکساری ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ کہاوت چھچھورے پن کے اظہار پر کہی جاتی ہے۔

(۴۴) چھاج تو چھاج بی چھلنی بھی بولیں جس میں بہتر چھید: یہاں چھاج ایک بے وقعت چیز کی علامت ہے۔ چھلنی بھی اتنی ہی بے وقعت ہوتی ہے، ساتھ ہی اس میں بہت سے سوراخ بھی ہوتے ہیں جو اس کی قیمت کو مزید گھٹانے کا استعارہ ہیں۔ یہ کہاوت ایسے وقت بولی جاتی ہے جب کسی معاملہ میں کوئی کم حیثیت آدمی کچھ بولے اور اس کی تائید اس سے بھی زیادہ کمزور شخص کرے۔

(۴۵) چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل : یعنی نکمے یا نااہل آدمی کو رُتبہ یا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا جس کا وہ مطلق مستحق نہیں تھا۔ یہ ایسی ہے بات ہے جیسے چھچھوندر جیسی کم اصل کے سر میں چنبیلی کا تیل ڈال دیا جائے جو وقت اور پیسے دونوں کا ضیاع ہے۔

(۴۶) چھپے رُستم ہونا : رُستم قدیم ایران کا ایک مشہور پہلوان گزرا ہے۔ اب لفظ رُستم بہادر شخص کا مترادف ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا بڑا کام کرے جس کی اس سے امید نہ ہو تو اُسے چھپا رستم کہا جاتا ہے۔

(۴۷) چھٹی کا دودھ یاد آ گیا: بچہ کی پیدائش کے چھٹے دن اس کا سر مونڈا جاتا ہے (مونڈن، عقیقہ)۔ یہ نہیں معلوم

کہ یہاں اس دن کا دودھ کیوں مذکور ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ بڑی تکلیف اٹھائی یا بہت بڑی آزمائش سے گزرے۔

(۴۸) چھیلی گئی جی سے، پھاپھا کُٹنی کو بھاویں ہی نہیں: چھیلی یعنی کمسن لڑکی۔ کٹنی یعنی نہایت چال باز اور فریب کار عورت جس کو دوسروں کی لگائی بجھائی میں مزا آتا ہو۔ پھاپھا تحقیر کا لفظ ہے اور عورتوں کی مخصوص زبان ہے۔ جی سے گئی یعنی جان سے گئی۔ بھاویں نہیں یعنی بھاتا ہی نہیں۔ کہاوت کا مطلب یہ ہوا کہ بیچاری معصوم لڑکی کی تو زندگی تباہ ہو گئی لیکن ظالم کٹنی کو پھر بھی چین نہیں آیا۔ جب کسی کی فریب کاری سے کسی اَور کا بہت نقصان ہو چکا ہو لیکن پھر بھی وہ اُس کے درپے آزار ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۹) چیونٹی کی موت آتی ہے تو اُس کے پر نکل آتے ہیں: عام مشاہدہ ہے کہ چیونٹی کے پر نکل آئیں تو وہ چراغ کی جانب جاتی ہے اور جل کر مر جاتی ہے۔ پَر نکلنا یعنی غرور کا شکار ہونا۔ کسی کے برے دن آتے ہیں تو اس میں غرور و تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر بہت جلد وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے۔

(۵۰) چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں: ماس یعنی گوشت۔ یہ اُمید کرنا کہ چیل کے گھونسلے میں گوشت مل جائے گا بے کار بات ہے۔ یہ فقرہ مرزا غالبؔ کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ مشہور ہے کہ مرزا غالبؔ کے چہیتے پوتے ان کی صندوقچی کھول کر اس میں پیسے تلاش کر رہے تھے۔ مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر فی البدیہہ شعر کہا کہ ؎

پیسہ دھیلا ہمارے پاس کہاں　　چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

(۵۱) چیونٹی بھی دبنے پر کاٹ لیتی ہے: چیونٹی ایک نہایت حقیر کیڑا ہے لیکن اگر اُسے بھی چھیڑا جائے تو وہ بھی اپنے دفاع میں کاٹ لیتی ہے۔ یعنی کوئی شخص کتنا ہی کمزور ہوا گر اپنے حالات سے عاجز آ جائے تو اپنی مقدرت بھر وہ بھی کچھ نہ کچھ کر بیٹھتا ہے۔

(۵۲) چیونٹی کے پر نکل آئے: جب چیونٹی کی موت آنے والی ہوتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کہاوت کا مطلب ہے کہ اب برے دن آ گئے ہیں، انجام برا ہونے والا ہے۔

(۵۳) چیونٹیوں سے بھرا کباب: کباب بذات خود لذیذ اور اچھی چیز ہے لیکن اگر چیونٹیوں سے بھرا ہو تو بیکار اور نقصان دہ ہے۔ اسی سے کہاوت کا استعمال قیاس کیا جا سکتا ہے۔

----

(۱۰) ح۔ کی کہاوتیں:

(۱)حاتم طائی کی قبر پر لات مار دی: پہلے زمانے میں حاتم طائی نامی ایک شخص اپنی سخاوت اور فیاضی کے لئے مشہور تھا۔ اس کا نام وسیع القلبی کے لئے اب استعارہ بن گیا ہے۔ اگر کوئی کسی پر ذرا سا احسان کرے اور ایسے جتائے جیسے اتنا بڑا کام کبھی کسی نے کیا ہی نہیں ہے تو اس کے بیجا تکبر کو حاتم طائی کی قبر پر لات مارنا کہتے ہیں۔

(۲) حاکم کی اَگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے بچنا چاہئے: حاکم کے سامنے بے ضرورت آنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی بات پر بھی خفا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے کے پیچھے کھڑا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ کسی وقت بھی دولتّی مار سکتا ہے۔

(۳) حاکم کے تین اور شحنے کے نو: شحنہ یعنی شہر کوتوال۔ حاکم وقت تک رشوت اس کے کارندوں کے توسط سے ہی پہنچتی ہے جو اپنا حصہ پہلے نکال لیتے ہیں یہ حصہ حاکم سے زیادہ ہی ہوتا ہے کیونکہ اور کسی کو علم ہی نہیں ہوتا کہ کتنی رشوت ملی اور کتنی حاکم کو دی گئی۔

(۴) حال کا نہ قال کا، روٹی اور دال کا: ایسے ناکارہ اور خود غرض آدمی کے لئے کہا جاتا ہے جو کسی مصرف کا نہ ہو اور جس کو صرف اپنے مطلب کی ہی فکر ہو۔

(۵) حرام کا مال گلے میں اٹکے : غلط طریقے سے حاصل کیا ہوا مال آسانی سے ہضم نہیں ہوتا۔ حرام خور کا ضمیر ملامت ضرور کرتا ہے۔

(۶) حسابِ دوستاں دَرِدِل: دوستوں کا حساب کتاب دل میں ہوتا ہے۔ زبان پر آ کر یہ حجت اور تلخی کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۷) حصہ تیرا تہائی، اتنا برتن کیوں لائی: یہاں ایک فرضی عورت سے خطاب ہے کہ مال غنیمت میں تیرا حصہ تو صرف ایک تہائی تھا، پھر تو اتنا بڑا برتن کیوں لائی ہے؟ جب کوئی اپنے حق سے زیادہ کا طلبگار ہو تب یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۸) حقہ پانی بند کرنا : پرانے زمانے میں دستور تھا کہ مہمان کی خاطر تواضع حقہ اور ٹھنڈے پانی سے کی جاتی تھی۔ برادری یا محلہ میں اگر کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو بزرگوں کی پنچایت بیٹھتی اور سزا کے طور پر اس کا حقہ پانی بند کر دیتی۔ اس طرح اس کا سوشل بائیکاٹ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد سب لوگ اس شخص اور اُس کے گھر والوں سے ہر قسم کا رابطہ منقطع کر دیتے تھے۔ جب تک وہ پنچایت کی شرائط پر راضی نہیں ہو جاتے تھے ان کا حقہ پانی بند رہتا تھا۔ گویا اس کہاوت کا مطلب کسی کا مکمل سماجی مقاطعہ یعنی سوشل بائیکاٹ کر دینا ہے۔

(۹) حکم حاکم، مرگ مفاجات: مُفاجات یعنی وہ چیز جو اچانک آ کر پکڑ لے۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت کا حکم ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اچانک آجانے والی موت، گویا اس کی تعمیل سے فرار ممکن نہیں ہے۔

(۱۰) حلق سے نکلی خلق میں پہنچی: یعنی جو بات منھ سے نکل جائے وہ آناً فاناً چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ یہی بات ایک اور کہاوت منھ سے نکلی، ہوئی پرائی بات میں بھی کہی گئی ہے۔

(۱۱) حلوائی اپنی دہی کو کھٹا نہیں کہتا: کوئی انسان اپنی برائیاں دوسروں کو نہیں بتاتا ہے۔ یہ ایسی ہی انہونی بات ہے جیسے کوئی حلوائی اپنی دہی کو خود ہی کھٹا بتائے۔ جب کوئی شخص اپنی چیز میں خوبی ہی خوبی بتائے تب یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۲) حلوائی کی دوکان، دادا جی کی فاتحہ: کوئی شخص مفت ہی کوئی بڑا کام کرانے کی کوشش کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ حلوائی کی دوکان میں اپنا پیسہ نہیں لگا ہوتا گویا تمام مال مفت کا ہوتا ہے اور دادا جی کی فاتحہ استعارہ ہے کسی بڑے اور نیک کام کا۔

(۱۳) حور کی بغل میں لنگور: کسی حسینہ کے ہمراہ بدشکل آدمی ہو تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۱۴) حیلہ رزق، بہانے موت: زندگی میں ہر چیز کسی نہ کسی بہانے ہوتی ہے۔ رزق ملتا ہے تو قدرت اس کا کوئی حیلہ یا بہانہ پیدا کر دیتی ہے اور موت آتی ہے تو اس کا بھی بہانہ ہوتا ہے۔

---

(۱۱) خ۔ کی کہاوتیں:

(۱) خاک نہ دھول، بکائن کے پھول: بکائن ایک خودرو پودا ہے جس کے پھول کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اسی مناسبت سے یہ کہاوت ہے کہ جو بات ہو رہی ہے وہ خاک اور دھول کے برابر بھی نہیں ہے جیسے کہ بکائن کے پھول ہوا کرتے ہیں۔

(۲) خالہ جی کا گھر نہیں ہے: خالہ کے گھر کو ہر شخص اپنا ہی گھر تصور کرتا ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ رہے ہو۔

(۳) خالی دماغ شیطان کی کار گاہ ہوتا ہے: آدمی اگر بیکار بیٹھا ہو تو اس کا دماغ فضول اور بے کار خیالات کی

آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے دماغ کو کسی کام میں لگائے رکھنا بہتر ہے۔

(۴) خالی ہاتھ منھ کو نہیں جاتا : جس طرح خالی ہاتھ سے بھوک نہیں مٹتی اسی طرح بغیر اپنے فائدہ کے کوئی کسی کا کام نہیں کرتا۔

(۵) خدا کو دیکھا نہیں، عقل سے تو پہچانا ہے : اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا البتہ اس کی قدرت اور ربوبیت ہر طرف نظر آتی ہے اور یہ ثبوت عقل مند آدمی کے لئے کافی ہے۔

(٦) خدا دیتا ہے تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے : یعنی اللہ کی بخشش کا کوئی حساب نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔

(۷) خدا گنجے کو ناخن نہ دے : اگر گنجے آدمی کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں گے تو وہ سر کھجا کھجا کر زخم کر لے گا۔ اس لئے ناخن کا نہ ہونا اس کے حق میں بہتر ہے۔ اسی مناسبت سے اگر ظالم اور بد قمار آدمی کے ہاتھ میں طاقت آجائے تو وہ کمزوروں پر ظلم کرے گا۔ ایسے شخص کے پاس طاقت کا نہ آنا دوسروں کے لئے نعمت سے کم نہیں۔

(۸) خدا کی چوری نہیں تو بندے کی کیا چوری: جو کام اللہ سے نہیں چھپایا جائے اس کو بندوں سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کی چوری سے مراد اُس کے قوانین اور ہدایات کے خلاف کام کرنا ہے۔

(۹) خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی: ظلم و ستم کی سزا جلد یا بدیر ملتی ضرور ہے اور جب ملتی ہے تو پہلے سے اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ اسی کو لاٹھی کی آواز کہا گیا ہے کہ سزا ملتی ہے تو مجرم کو پتا بھی نہیں چلتا کہ کب اور کیسے ملی.

(۱۰) خدا کی باتیں خدا ہی جانے: خدا کی باتیں یعنی غیب کی باتیں یا خدا کے فیصلے۔ ان پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۱۱) خدا خود میر سامانست اسباب توکل را : میر سامان یعنی قافلہ والوں کی ضروریاتِ سفر مہیا کرنے والا۔ اللہ خود ایسے لوگوں کے سفر زندگی کا سامان فراہم کر دیتا ہے جو اُس پر توکل کرتے ہیں اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

(۱۲) خدا شکر خورے کو شکر اور موذی کو ٹکّر دیتا ہے : یعنی اللہ نے ہر چیز کو مقدر کر رکھا ہے۔ جو شخص شکر خور ہو اس کو وہ شکر دیتا ہے اور جو دوسروں پر مظالم کا عادی ہو آخر کار قدرت اس کو سزا دیتی ہے۔ ٹکر سے یہاں مراد چوٹ یا سزا ہے۔

(۱۳) خدا دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کے دیتا ہے: چھپر پھاڑ کے یعنی بے حساب اور بغیر کسی نمایاں سبب کے۔ کسی کو غیر متوقع طور پر دولت یا کوئی اعلیٰ مقام مل جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۴) خدا لگتی بات: یعنی سچ اور انصاف کی بات۔

(۱۵) خدا کے گھر سے پھرے: پھرے یعنی واپس آئے۔ کوئی شخص بال بال موت سے بچ جائے تو اس کے لئے کہتے ہیں کہ خدا کے گھر سے پھر آیا۔

(۱۶) خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے: آدمی اپنے ہم مشرب ساتھیوں کی نقل کرتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ آدمی اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔

(۱۷) خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رَوَد۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد: یعنی حضرت عیسیٰ کا گدھا اگر مکہ معظّمہ بھی ہو آئے تو واپسی پر بھی وہ گدھا ہی رہے گا۔ نادان آدمی کا بھی یہی حال ہے کہ کیسا ہی اچھا سبق اس کو دیا جائے وہ نادان ہی رہتا ہے۔ استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۸) خس کم جہاں پاک: یعنی گھاس پھوس کم ہوئے اور دُنیا پاک ہو گئی۔ کوئی نااہل شخص کسی معاملہ کے بیچ سے نکل جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۹) خصم کا کھائے، بھیا کا گائے: یہ کہاوت ایسی عورت کے بارے میں ہے جو خاوند کی کمائی کھاتی ہے لیکن تعریف ہمیشہ اپنے بھائی کی کرتی ہے۔ جب کوئی شخص اپنے محسن کا شکر گزار ہونے کے بجائے ناشکری کرتا ہے یا کسی اور کی بیجا تعریف کرتا ہے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۰) خطائے بزرگاں گرفتن خطاست: یعنی بزرگوں کی غلطی پکڑنا بجائے خود غلط ہے۔ بزرگوں کا احترام ہماری تہذیب کا اہم حصہ ہے اور کہاوت اسی روایت کا اعتراف کرتی ہے۔

(۲۱) خون سفید ہو گیا ہے: سفید خون بے مروتی کا استعارہ ہے۔ یعنی پرانی قرابتیں بھول کر بیگانگی برتنے لگا ہے۔

(۲۲) خود را فضیحت، دیگراں را نصیحت: ہر شخص دوسرے لوگوں کو جو نصیحت کرتا ہے خود اُس پر عموماً عمل نہیں کرتا۔ فضیحت یعنی رُسوائی۔ گویا اپنے لئے رُسوائی کو برا نہیں سمجھتا لیکن دوسروں کو نصیحت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

(۲۳) خواب خرگوش کے مزے: یعنی مکمل غفلت اور بے حسی۔ اس کہاوت سے ایک کہانی وابستہ ہے۔ ایک کچھوے اور خرگوش میں دَوڑ کا مقابلہ ہوا۔ دَوڑ شروع ہوتے ہی خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا کہیں سے کہیں نکل گیا جب کہ کچھوا آہستہ آہستہ منزل کی جانب چلا۔ کچھ دور جا کر خرگوش نے سوچا کہ ’’ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ بھلا کچھوا اپنی جوں کی سی چال سے مجھ کو کیسے شکست دے سکتا ہے۔ کیوں نہ ہیں کہیں ذرا سا لیٹ کر آرام کر لوں۔‘‘ چنانچہ وہ گھاس میں پڑ کر گہری نیند سو گیا۔ کچھوا اپنی رفتار چلتا رہا اور اُس کو پیچھے چھوڑ گیا۔ خرگوش کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا

کر بے تحاشہ منزل مقصود کی جانب بھاگا لیکن وہاں پہنچ کر دیکھا کہ کچھوا کبھی کا وہاں پہنچ چکا تھا۔

(۲۴) خود کردہ را درمانے نیست: یعنی اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں ہوتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۲۵) خوشامد سے آمد ہے: خوشامدی آدمی اپنا کام نکال ہی لیتے ہیں۔اسی معنی میں ایک مصرع یوں ہے ؎ سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے۔

(۲۶) خیالی پلاؤ پکاتے ہیں: خوابوں کی دُنیا میں رہتے ہیں اور زندگی کی حقیقتوں سے ناآشنا ہیں۔

(۲۷) خیرات کے ٹکڑے اور بازار میں ڈکار : کوئی یوں تو قلاش ہو لیکن دنیاد کھانے کے لئے شیخی بگھارے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

---

(۱۲) د۔ کی کہاوتیں:

(۱) دانتوں پسینہ آنا : ظاہر ہے کہ دانتوں میں پسینہ نہیں آسکتا ہے۔یعنی یہ کہاوت نہایت مشکل کام سرانجام دینے کا استعارہ ہے،اتنا مشکل کام کہ اسے کرنے سے دانتوں پسینہ آجائے۔

(۲) داشتہ آید بکار : رکھی ہوئی چیز کام آجاتی ہے۔عام تجربہ ہے کہ جس چیز کو بیکار جان کر پھینک دیا جائے اس کی ضرورت دوسرے ہی دن ہوتی ہے۔ کہاوت اسی جانب اشارہ کررہی ہے۔

(۳) دائی سے کیا پیٹ چھپانا : پہلے زمانے میں زیادہ تر بچے دائی(midwife) کی مدد سے گھروں پر ہی پیدا ہوتے تھے۔ کام کی نوعیت کے پیش نظر دائی سے کوئی بات چھپی نہیں ہوتی تھی۔مطلب یہ ہے کہ راز کی بات ایسے شخص سے چھپانا بے سود و بے معنی ہے جس کو بالآخر وہ کام نمٹانا ہے۔

(۴) دال میں کالا ہونا : دال میں کوئی کالی چیز گر جائے تو اس کی سیاہی صاف نظر آجاتی ہے۔اسی نسبت سے یہ کہاوت کسی کام میں شک کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۵) دانہ دانہ پر مہر لگی ہے: عقیدہ ہے کہ جو جس کی تقدیر میں ہے وہ اُسے مل کر رہے گا گویا رزق کے دانے دانے پر اللہ نے اس کے نام کی مہر لگادی ہے۔اس کہاوت سے ایک لطیفہ بھی منسوب ہے۔ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ ایک دن اپنے آموں کے باغ کی سیر کررہے تھے۔مرزا غالبؔ بھی ہمراہ تھے۔مرزا نوشہؔ ہر درخت کے

قریب جا کر آموں کو بہت غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ ظفرؔ نے دریافت کیا ''مرزا نوشہ، کیا دیکھ رہے ہو؟'' مرزا غالبؔ نے کہا ''حضور! بزرگوں نے کہا ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی آم پر میرا نام بھی لکھا ہوا ہے کہ نہیں۔'' بادشاہ یہ سن کر ہنس پڑے اور ملازم کو تاکید کی کہ آموں کا ایک ٹوکرا مرزا نوشہ کے گھر پہنچا دیا جائے۔

(۶) دال نہیں گلتی: یعنی بات نہیں بنتی، کام ہونے کی کوئی صورت نہیں نکل رہی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۷) دانت کاٹی روٹی ہے: کسی کی جھوٹی (یا دانت کاٹی) روٹی کوئی دوسرا مشکل سے ہی کھاتا ہے۔ لہٰذہ دانت کاٹی روٹی پکی دوستی اور قربت کا استعارہ بن گئی ہے۔ دو اشخاص میں بہت یارانہ اور بے تکلفی ہو تو یہ کہاوت کہتے ہیں۔ ایسے دوستوں کے لئے لنگوٹیا یار کی اصطلاح بھی مستعمل ہے یعنی اتنے پکے دوست کہ ایک دوسرے کا لنگوٹ بھی پہننے میں انھیں کوئی عار یا تکلف نہیں ہے۔

(۸) دانت کریدنے کو تنکا نہیں: دانت کریدنے کے تنکے کی کوئی بساط نہیں اور یہاں یہ انتہائی مفلسی کا استعارہ ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ بے حد مفلسی کا عالم ہے، سب کچھ لُٹ گیا۔

(۹) دبی بلّی چوہوں سے کان کٹواتی ہے: مجبوری بہت بری چیز ہے۔ آدمی حالات سے مجبور ہو جائے تو سب کچھ برداشت کرلیتا ہے۔ کہاوت اس حقیقت کا اعتراف کر رہی ہے۔

(۱۰) دبے مُردے اُکھاڑتا ہے: یعنی ایسی بھولی بسری باتیں نکال نکال کرلاتا ہے جن سے نا اتفاقی اور فساد بڑھ جائے۔ پُرانی رنجشوں اور مناقشات کا شمار ان مُردوں میں ہے۔

(۱۱) دبنے پر چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے: کمزور آدمی بھی عاجز آجائے تو وہ بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جیسے ننھی سی چیونٹی بھی اگر دب جائے تو کاٹ لیتی ہے۔

(۱۲) دروغ گو را حافظہ نہ باشد: یعنی جھوٹ بولنے والے کے حافظہ نہیں ہوتا۔ اس کے لئے یہ یاد رکھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس شخص سے کس معاملہ میں کون سا جھوٹ بولا ہے۔

(۱۳) دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر: کسی مردم آزار شخص کے علاقہ میں رہتے ہوئے اُس سے دشمنی رکھنا دانشمندی نہیں ہے۔ جس طرح دریا میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی میں خطرہ ہے اسی طرح ظالم آدمی کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

(۱۴) در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست: یعنی نیک کام میں کسی استخارہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ استخارہ وہ دُعا ہے جو

اہم کام کرنے سے پہلے کچھ لوگ مانگتے ہیں کہ کام کیاجائے یانہیں اور کیا جائے تو کس طرح؟ کچھ لوگ دو رکعت نماز پڑھ کراس اُمید میں سوجاتے ہیں کہ خواب میں کوئی اشارہ ملے گا۔ کچھ لوگ آنکھ بند کرکے قرآن پاک کے کسی صفحہ پر انگلی رکھ کر متعلقہ عبارت سے اشارہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ نیک کام کا انجام تواچھاہی ہوتا ہے اس لئے اس میں فکر کی کیابات ہے؟

(۱۵) دَروغِ مصلحت آمیز: یعنی وہ جھوٹ جو کسی مصلحت سے بولا جائے۔یہ جھوٹ تو ہے لیکن چونکہ اس کا مقصد بھلائی ہے اس لئے یہ برائی میں شمار نہیں ہوتا۔

(۱۶) در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش: یعنی اپنے کام میں محنت کروچاہے کپڑے کیسے ہی پہنو۔ گویا اصل اہمیت کام کی ہے ظاہری لباس اور نمودونمائش کی نہیں ہے۔

(۱۷) دروازہ پر ہاتھی جھولنا: پرانے زمانے میں رئیس لوگ ہاتھی پالنے میں اپنی شان سمجھتے تھے۔ہاتھی مستی کے عالم میں جھومتا ہے جس کو ''جھولنا'' کہتے ہیں۔ دروازہ پر ہاتھی جھولنا اَمارت کی نشانی ہے۔

(۱۸) دستِ خود دَہانِ خود: اپناہاتھ ہے اور اپنامنھ، گویا کسی کی محتاجی نہیں ہے۔

(۱۹) دستر خوان کی مکھی: دستر خوان پر مکھی بن بلائے مہمان کی طرح آ بیٹھتی ہے۔ایسا شخص جو عادتاً عین کھانے کے وقت ٹپک پڑے اور دستر خوان کا شریک بن بیٹھے ''دستر خوان کی مکھی'' کہلاتا ہے۔

(۲۰) دل کو دل سے راہ ہوتی ہے: یعنی اگر دودِلوں میں محبت ہو تو وہ ایک دوسرے کی بات خوب سمجھتے ہیں اور زیادہ تشریح وتوضیح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲۱) دمڑی کی مُنڈیا، ٹکا سر منڈائی: پرانے زمانے میں دمڑی اہل نہایت کم قیمت سکّہ ہوتا تھا۔ ٹکا یعنی ایک روپیہ۔مُنڈیا یعنی سر۔مطلب یہ ہے کہ سر تو ذرا سا ہے اور اس کی حجامت کی قیمت بہت دی جارہی ہے۔ کسی چیز پر اس کی قیمت سے زیادہ صرف کیاجائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۲) دمڑی کی ہانڈی گئی، کتّے کی ذات توپہچانی گئی: دمڑی کی ہانڈی یعنی تھوڑا سا نقصان۔مطلب یہ ہے کہ کچھ نقصان توضرور ہوا لیکن اسی بہانے اچھے برے انسان کی پہچان ہو گئی۔

(۲۳) دمڑی کی گڑیا، ٹکا ڈولی کا: ٹکا یعنی ایک روپیہ۔ دمڑی، پیسہ سے بھی بہت چھوٹا ایک سکہ ہوتا تھا۔ پرانے زمانے میں رئیس زادیاں تفریح کے لئے آپس میں گڑیوں کی شادیاں دھوم دھام سے کیا کرتی تھیں۔ گڑیا دلہن بھی دستور زمانہ کے مطابق چار کہاروں والی ڈولی میں رخصت کی جاتی تھی۔مطلب یہ ہے کہ ستم ظریفی دیکھئے کہ گڑیا تودمڑی بھر کی قیمت کی ہے لیکن اس کے لئے مہنگی ڈولی کا اہتمام کیا گیاہے۔اگر اصل بات چھوٹی سی ہو لیکن اس

کے فروعات بہت قیمتی ہوں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۴) دماغ ساتویں آسمان پر ہے : یعنی مغرور اور بد دماغ ہے، دوسروں کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔

(۲۵) دن دونی رات چوگنی ترقی ہو: دُعائیہ جملہ ہے جو بزرگ عموماً چھوٹوں کے لئے کہتے ہیں۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۲۶) دن کو دن، رات کو رات نہیں جانا : یعنی کوئی کسر نہیں اُٹھار کھی یہاں تک کہ دن کا چین اور رات کی نیند بھی چھوڑ دی۔

(۲۷) دُنیا اُمید پر قائم ہے: کہاوت کا مطلب اور محل استعمال ظاہر ہیں۔

(۲۸) دن میں تارے نظر آ گئے: یعنی انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ سر پر چوٹ لگ جائے تو چند لمحوں کے لئے ایسا ہی لگتا ہے۔

(۲۹) دودھ کے دانت نہیں ٹوٹے: بچوں کے دودھ کے دانت پیدائش کے کئی سال بعد ٹوٹتے ہیں۔ یہاں یہ ناتجربہ کاری اور کم علمی کا استعارہ ہیں یعنی ابھی ناتجربہ کاری کا عالم ہے۔

(۳۰) دولت مند کے سب ہی سالے: دُنیا دولت کی دیوانی ہے۔ سالے بہنوئی کا رشتہ قریبی اور جذباتی ہوتا ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ دولت مند کی قربت کا ہر شخص خواہاں ہوتا ہے کیونکہ اس سے فائدہ کی امید ہوتی ہے۔

(۳۱) دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو: پوتوں پھلو یعنی بیٹوں سے، پھلو یعنی بھرے رہو۔ یہ دُعائیہ جملہ ہے جو بڑی بوڑھیاں چھوٹوں کے لئے کہتی ہیں۔ یعنی تمھارا اقبال اتنا بلند ہو کہ پانی کے بجائے دودھ سے نہایا کرو اور بیٹوں سے تمھارا گھر آباد رہے۔

(۳۲) دودِل راضی تو کیا کرے گا قاضی: یعنی اگر دو اشخاص کسی بات پر رضامند ہو جائیں تو کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جیسے دودِل اگر شادی پر راضی ہو جائیں تو بیچارہ قاضی کیا کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ نکاح پڑھا دے۔

(۳۳) دودھیل گائے کی دولاتیں بھی سہہ لیتے ہیں: دودھیل یعنی دودھ دینے والی۔ ایسی گائے اگر دولاتیں بھی ماردے تو مالک طوعاً و کرہاًبرداشت کرلیتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص سے اپنی کوئی غرض اٹکی ہو تو آدمی اُس کی دو کڑوی باتیں بھی سُن لیتا ہے۔

(۳۴) دُور کے ڈھول سہانے: ڈھول تاشے کی آواز دُور سے بھلی معلوم ہوتی ہے مگر پاس جائیں تو شور سے کان پھٹنے لگتے ہیں۔ یعنی جو چیز دُور سے اچھی معلوم ہو، ضروری نہیں ہے کہ وہ پاس سے بھی بھلی لگے۔ یہ کہاوت انسان پر بھی صادق آتی ہے کہ چاہے وہ سرسری نظر سے دیکھنے میں کتنا ہی اچھا لگے جب تک اس کو قریب سے نہ پرکھا جائے اس کی

اصل معلوم نہیں ہوتی۔

(۳۵) دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے : دودھ سے مکھن نکال لیا جائے تو باقی بچا ہوا دودھ چھاچھ کہلاتا ہے۔اگر کسی شخص کا منھ گرم دودھ سے جل جائے تو وہ ٹھنڈی چھاچھ بھی پھونک مار مار کر احتیاط سے پئے گا کیونکہ وہ بھی دودھ کی طرح سفید ہوتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی شخص نقصان اٹھائے تو اس سے ملتے جلتے معاملہ میں وہ بہت محتاط رہتا ہے۔

(۳۶) دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی : بازار میں دودھ کی مقدار بڑھانے کے لئے اس میں بے ایمان دوکاندار پانی ملا دیتا ہے۔اگر کسی طرح اس مرکب سے دودھ اور پانی الگ الگ کر دیے جائیں تو اصل اور اس کی ملاوٹ ظاہر ہو جائے گی۔اسی طرح اگر کسی معاملہ میں سچ اور جھوٹ ملے ہوں اور انھیں الگ الگ کر دیا جائے تو اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ایک دوسری کہاوت میں اسے ''ڈھول کا پول کھولنا'' بھی کہتے ہیں۔ایک کہانی اس کہاوت سے وابستہ ہے۔ایک دودھ والا دودھ میں بہت پانی ملا کر گاہکوں کو دھوکا دیا کرتا تھا۔ایک دن ایک بندر اس کی دوکان میں گھس آیا اور اس کے پیسوں کا ڈبہ اٹھا کر ندی کنارے ایک درخت پر جا بیٹھا۔دوکاندار نے بہت بہلایا پھسلایا لیکن بندر نے ڈبہ واپس نہ کیا بلکہ اس میں سے روپے نکال نکال کر ندی میں پھینکنے لگا اور پیسے دوکاندار کی طرف۔ایک شخص یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔اس نے دوکاندار سے کہا کہ ''بندر ٹھیک تو کر رہا ہے۔دودھ کے دام تمھاری طرف پھینک رہا ہے اور پانی کے روپے پانی میں۔یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔''

(۳۷) دُودھ دیا سو مینگنیوں بھرا : مینگنی یعنی بکری کا فضلہ۔کوئی اچھی چیز کسی کو دی جائے اور اس میں خرابی نکل آئے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔اسی پر دوسری مثالیں قیاس کی جاسکتی ہیں۔

(۳۸) :دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکنا : اگر دودھ میں مکھی گر جائے تو اسے نکال پھینکتے ہیں۔دودھ کی مکھی یہاں اچھی چیز میں بری چیز کی آمیزش کا استعارہ ہے۔اسی مناسبت سے اگر کسی شخص کو کہیں سے بیک بینی و دو گوش نکال دیا جائے تو بھی کہتے ہیں کہ دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔

(۳۹) دوسرے کے پھٹے میں پیر اَڑانا : کسی کے پَھٹے کپڑے میں پیر اَڑا یا جائے تو وہ اور پھٹ جاتا ہے۔کہاوت سے مراد دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل اندازی ہے۔ایسا کرنے سے معاملہ کے بہتری کے بجائے بات بگڑنے کا امکان زیادہ ہے۔

(۴۰) دو میں تیسرا، آنکھوں میں ٹھیکرا: آنکھوں میں ٹھیکرا یعنی کھٹکنے والی چیز۔اگر دو اشخاص بیٹھے ذاتی گفتگو کر رہے ہوں تو کسی اور کا وہاں آ بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔اس کہاوت سے متعلق مرزا غالبؔ کا ایک لطیفہ مشہور ہے جو مرزا

نوشہ کے منھ بولے بیٹے زین العابدین خاں عارفؔ کی بہو معظم زمانی بیگم (عرف بُگا بیگم) نے بیان کیا ہے۔ بگا بیگم نے مرزا غالبؔ کی زندگی کا آخری دَور دیکھا تھا۔ فرماتی ہیں کہ ''برسات کے دن تھے، مینھ بہت برسنے لگا۔ مرزا صاحب بیٹھے بیوی سے باتیں کرتے تھے، میں یوں بیٹھی تھی گاؤ تکیہ کے کونے سے لگی ہوئی۔ کہنے لگے ''ایک بیوی، دو میں، تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا۔ بہو! میں اور میری بیوی بیٹھے ہیں تم کیوں بیٹھی ہو؟'' اس پر میری ساس بولیں ''ارے توبہ توبہ! بڑھا دیوانہ ہے۔ اسے تو ٹھٹھے کے لئے کوئی چاہئے۔ اب بہو ہی مل گئی۔'' میں اتنے میں اُٹھ کر کونے میں جا چھپی۔ اب اُنہیں یہ فکر کہ برسات کا موسم اور کیڑے پتنگے کا عالم۔ مجھے ڈھونڈتے پھریں اور کہتے جائیں ''مجھے کیا خبر تھی کہ بہو اس بات کا اتنا برا مان جائے گی۔''

(۴۱) دو مُلاؤں کے بیچ میں مُرغی حرام : اگر کوئی کام دو اشخاص کے سپرد کیا جائے تو آپس کے جذبۂ مسابقت کے باعث کام میں بہتری کے بجائے خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس صورت کی تشبیہہ دو مُلاؤں سے دی گئی ہے جو اکیلے مرغی کھانے کے لالچ میں ایک دوسرے کی حلال کی ہوئی مرغی کو حرام کہتے ہیں گویا وہ اگر خود ذبح نہیں کریں گے تو مرغی حلال ہی نہیں ہو گی۔

(۴۲) دور کی کوڑی لانا : پہلے زمانہ میں کوڑی بھی سکّے کی طرح استعمال ہوتی تھی۔ تب ایک روپے میں چونسٹھ پیسے ہوا کرتے تھے اور ایک پیسے میں پانچ کوڑی۔ ''دُور کی کوڑی لانا'' کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم ہو سکی۔ البتہ کہاوت کا مطلب ہے بڑے پتے کی بات کہنا، غیر معمولی بات کہنا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۴۳) دولت اندھی ہوتی ہے : یہ ضروری نہیں ہے کہ دولت صرف مستحق لوگوں کو ہی ملے۔ وہ کسی کو بھی مل سکتی ہے اور ملتی بھی ہے۔ اس کہاوت سے ایک حکایت منسوب ہے۔ مغل بادشاہ تیمورؔ لنگڑا تھا اور اسی لئے تاریخ میں اسے تیمورؔ لنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک بار اس کے دربار میں ایک اندھا آدمی حاضر ہوا جس کا نام دولتؔ تھا۔ تیمورؔ نے از راہ تمسخر کہا کہ ''کیا دولت بھی اندھی ہوتی ہے؟'' اُس اندھے نے دست بستہ عرض کی کہ ''حضور! اگر اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے پاس کیسے آتی؟'' تیمورؔ اس کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔

(۴۴) دھوتی کے بھیتر سب ننگے : بھیتر یعنی اندر یا نیچے۔ مطلب یہ ہے کہ کریدا جائے تو ہر شخص میں کوئی نہ کوئی عیب نکل آتا ہے

(۴۵) دھوبی کا کُتا، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا : پہلے زمانے میں دھوبی لوگوں کے گھر آ کر ان کے کپڑے دھونے کے لئے ندی یا جھیل کے گھاٹ پر لے جایا کرتا تھا۔ پیشہ کی مناسبت سے دھوبی کی دَوڑ گھر اور گھاٹ کے درمیان ہی ہوا کرتی تھی اور اُس کا کتا بھی اس کے ساتھ کبھی گھر اور کبھی گھاٹ مارا مارا پھرتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خانماں برباد اور بے سر و سامان ہوتے ہیں اُن کو قسمت جہاں لے جائے وہاں جانا پڑتا ہے۔

(۴۶) دھوکے کی ٹٹی: اکثر شکاری جنگل میں ایک ٹٹی کے پیچھے چھپ جاتے ہیں اور جب شکار بے علمی میں قریب آتا ہے تو اُس کو مار لیتے ہیں۔ اسے دھوکے کی ٹٹی کہا گیا ہے۔ انسانی تعلقات میں بھی لوگ دوسروں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایسی ہی ٹٹی بنا لیتے ہیں۔

(۴۷) دیر آید دُرست آید: یعنی دیر (اطمینان) سے کیا گیا کام دُرست ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی میں غور و فکر سے کام لیا جاتا ہے۔ ہندی کی ایک کہاوت اسی معنی میں کہی جاتی ہے ’’سہج پکے سو میٹھا‘‘ (جو پھل آہستہ آہستہ پکے وہ زیادہ میٹھا ہوتا ہے)۔

(۴۸) دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے: اونٹ بہت بے ڈھب جانور ہے اور اس کہاوت میں مشکل مسئلہ کا استعارہ ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے بظاہر مسئلہ نہایت ٹیڑھا ہے۔ اب دیکھئے کہ یہ کس طرح سے حل ہوتا ہے۔ ایک حکایت اس کہاوت کے بارے میں مشہور ہے۔ ایک کمھار اور ایک سبزی فروش نے مل کر ایک اونٹ کرایے پر لیا۔ سبزی فروش نے اونٹ کے ایک طرف اپنی سبزی ترکاری لاد دی اور کمھار نے اپنے برتن دوسری جانب باندھ دئے۔ بازار کی طرف جاتے ہوئے اونٹ بار بار منھ گھما کر سبزیوں میں سے کچھ نہ کچھ کھاتا رہا اور سبزی فروش کے نقصان پر کمھار ہنستا رہا۔ سبزی فروش بار بار یہی کہتا تھا کہ ’’دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔‘‘ جب وہ بازار پہنچے تو اونٹ برتنوں کی کروٹ بیٹھ گیا کیونکہ اُس جانب بوجھ زیادہ تھا اور اس کے لئے اُس کروٹ بیٹھنا آسان۔ کمھار کے بہت سے برتن دب کر ٹوٹ گئے اور وہ سبزی فروش کا منھ دیکھتا رہ گیا۔

(۴۹) دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں: یعنی بات کرنے میں احتیاط ضروری ہے کیونکہ نامعلوم ذریعوں سے بات آناً فاناً پھیل جاتی ہے جیسے دیواروں نے سن کر دوسروں تک پہنچا دی ہے۔ اسی معنی میں دوسری کہاوتیں بھی ہیں مثلاً ’’نکلی حلق سے، پہنچی خلق تک، منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات‘‘ وغیرہ۔

(۵۰) دیوانہ بکارِ خویش ہشیار: دیوانہ اپنے کام میں ہوشیار ہوتا ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے مطلب کی خوب سمجھتا ہے چاہے بظاہر وہ کیسا ہی نادان نظر آئے۔

(۵۱) دیا ہاتھ، کھانے لگا ساتھ: یعنی کسی کو ذرا سی رعایت دی تو وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگا۔ اسی معنی میں ایک اور کہاوت ہیکہ ’’انگلی پکڑتے ہی پہنچا پکڑ لیا‘‘۔

---

(۱۳) ڈ۔ کی کہاوتیں:

(۱) ڈنکے کی چوٹ: پرانے زمانے میں جب ٹی وی، ریڈیو وغیرہ نہیں تھے عوام کو سرکاری خبریں اور اعلان ڈنکا (ڈھول) بجا کر شہر کے چوراہوں پر سنایا جاتا تھا۔ ڈنکے کی چوٹ یعنی علی الاعلان اور کھلم کھلا، اس طرح کہ سب آسانی سے سن لیں۔

(۲) ڈوبتے کو تنکے کا سہارا: پانی میں ڈوبتا ہوا شخص بے تحاشہ ہاتھ پیر مارتا ہے اور قریب سے ہلکی پھلکی لکڑی (محاورۃً ایک تنکا) بھی گزرے تو سہارے کے لئے اس کو پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح برے وقت میں آدمی جہاں سے بھی جیسی بھی مدد مل سکتی ہے اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۳) ڈوبے کٹورا، پٹے گھڑیال: گھڑیال یعنی بڑا گھنٹا۔ گھڑی کی ایجاد سے پہلے بہت سے مقامات پر وقت کا تعین ایک سوراخ دار کٹورے کی مدد سے کیا جاتا تھا۔ کٹورا پانی کے بڑے برتن میں تیرا دیا جاتا تھا اور وہ آہستہ آہستہ پانی سے بھرتا رہتا یہاں تک کہ ڈوب جاتا۔ اُس وقت ایک گھڑیال زور زور سے ایک پہر گزر جانے کے اعلان کے لئے بجا یا جاتا۔ کہاوت اسی روایت سے نکلی ہے کہ ڈوبا تو کٹورا لیکن ہتھوڑے سے گھڑیال کی پٹائی ہو رہی ہے۔ جب غلط کام تو ایک آدمی کرے لیکن اس کی پاداش میں پکڑا کوئی اور جائے تب یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اسی معنی میں دوسری کہاوتیں بھی ہیں جیسے ''کرے کوئی، بھرے کوئی'' اور ''کرے داڑھی والا، پکڑا جائے مونچھوں والا'' وغیرہ۔

(۴) ڈھائی دن کی بادشاہت: یعنی ایک مختصر مدت کی نمود و نمائش اور نام آوری۔ یہ کہاوت ایک تاریخی واقعہ سے وابستہ ہے۔ جب مغل بادشاہ ہمایوںؔ کو شیر شاہؔ کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اس نے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے جمنا میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ شومیٔ قسمت سے گھوڑا ڈوبنے لگا اور بادشاہ کی جان خطرہ میں آ گئی۔ اس وقت نظامؔ نامی ایک سقہ نے اپنی ہوا سے بھری ہوئی مشک کا سہارا دے کر ہمایوںؔ کو حفاظت سے دوسرے کنارے پہنچا دیا۔ جب ہمایوںؔ کی بادشاہت دوبارہ بحال ہوئی تو اس نے نظامؔ سقہ کو منھ مانگا انعام دینے کا وعدہ کیا۔ نظامؔ نے ڈھائی دن کی بادشاہت کی خواہش ظاہر کی اور ہمایوں نے اسے تخت پر بٹھا دیا۔ اپنی اِس مختصر سی حکومت کے دَوران میں اُس نے شہر میں چمڑے کے سکّے چلوا دئے تھے جن کے بیچ میں سونے کی کیل جڑی ہوئی تھی۔

(۵) ڈھول کے اندر پول: یعنی شان و شوکت کا ڈھنڈورا تو اس قدر ہے لیکن اصلیت کچھ بھی نہیں جیسے ڈھول اندر سے پولا ہوتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۶) ڈھلمل یقین: یعنی ایسا شخص جو گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ ہو یعنی جو ایک بات قائم نہ رہ سکے۔

(۷) ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی ہے: یعنی سب قطع تعلق کرکے اپنا حلقہ یا گروہ الگ بنالیا ہے۔

(۸) ڈیڑھ چاول کی کھچڑی بنائی : یعنی سب سے الگ ہو کر اپنی رائے بنالی۔

----

(۱۴) ر۔ کی کہاوتیں:

(۱) رات گئی بات گئی: یعنی اب پرانی باتوں کا کیاذ کر۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ ایک اور کہاوت بھی اسی معنی میں بولی جاتی ہے کہ ''گڑے مُردے اُکھاڑنے سے کیا حاصل؟''

(۲) راجا ہوئے تو کیا، وہی جاٹ کے جاٹ: یعنی دولت تو بہت کمالی لیکن پرانی خصلت اور عادتیں ویسی ہی اوچھی کی اوچھی رہیں۔ کہاوت ایسے نو دولتیوں کے لئے بولی جاتی ہے جو مالدار بن کر بھی شرافت اور عالی ظرفی سے بیگانہ ہی رہتے ہیں۔

(۳) رائی کا پربت (یا پہاڑ) بن گیا: اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ دیکھئے ''رسّی کا سانپ بن گیا''۔

(۴) راجا کس کا یار، جوگی کس کا میت: راجا اور جوگی دونوں اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں، راجہ اپنی خود مختاری اور قوت کے بل بوتے پر اور جوگی دُنیا سے بے نیازی کے باعث۔ مطلب یہ ہے کہ صاحب اختیار کسی کا دوست نہیں ہوتا۔

(۵) رانی روٹھے گی، اپنا سہاگ لے گی : یعنی رانی اگر راجا سے روٹھے گی تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ اس کا تو سہاگ ہی راجا سے قائم ہے۔ جب کوئی کمزور آدمی اونچی اونچی باتیں کرے اور اپنا زورِ دکھانے کی کوشش میں دھمکی دے تو یہ کہاوت بولتے ہیں کہ ان باتوں سے تو خود تمھارا ہی نقصان ہے۔

(۶) رام نام جپنا، پرایا مال اپنا: یعنی دھوکہ دے کر مذہب کے نام پر لوگوں کا مال ہتھیالینا۔ کوئی اپنے کو بڑا پارسا دکھائے لیکن اصل مقصد لوگوں کو لوٹنا ہو تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۷) رسیدہ بود بلائے وَلے بخیر گذشت: یعنی مصیبت آئی تو تھی لیکن بخیر وخوبی گزر گئی۔ اِس میں اللہ کا شکر بھی مخفی ہے۔ جب کوئی آزمائش کا وقت آ کر بعافیت تمام گزر جائے تو یہ کہاوت کہتے ہیں۔

(۸) رسّی جل گئی پر بل نہ گیا : رسّی جل بھی جائے تو اس کے بل قائم رہتے ہیں۔ یعنی اک دم تباہ و برباد ہو گئے لیکن پرانا غرور اور رعونت اب بھی باقی ہے۔

(۹) رسّی کا سانپ بن گیا : یعنی بات کا بتنگڑ بن گیا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ رسّی کا سانپ بننا مبالغہ کے لئے

کہا گیا ہے۔ اسی معنی میں ''سوئی کا بھالا بننا'' اور ''رائی کا پربت بننا'' بھی بولا جاتا ہے۔

(۱۰) رَکابی مذہب ہے: رَکابی میں رکھی ہوئی چیز رَکابی کے ڈھال کی جانب چلی جاتی ہے۔ غیر معتبر، ڈھلمل یقین والے آدمی کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''یہ رکابی مذہب کا ہے'' یعنی یہ تو ہوا کے رُخ پر چلتا ہے اور اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا۔

(۱۱) رنگ میں بھنگ ڈالنا: یعنی کسی اچھے کام میں خرابی کی صورت پیدا کرنا۔ بھنگ کی آمیزش سے مشروب خراب ہو جاتا ہے۔

(۱۲) روئے بغیر ماں بھی دودھ نہیں دیتی: جب تک بچہ بھوک سے روتا نہیں ہے ماں بھی اس کو دودھ نہیں پلاتی۔ گویا جب تک ضرورت مند آدمی اپنی حاجت کا پُر زور اظہار نہ کرے اس کو اس کا حق نہیں ملتا۔

(۱۳) روپئے کو روپیہ کھینچتا ہے: دولت سے ہی مزید دولت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر لوگ اَور امیر اور غریب زیادہ غریب ہوتے جاتے ہیں۔

(۱۴) رہے نام اللہ کا: صبر و شکر کے لئے یہ فقرہ بولا جاتا ہے۔

(۱۵) رہیں جھونپڑوں میں، خواب دیکھیں محلوں کے: یعنی طاقت و حیثیت میں کچھ نہیں ہیں لیکن دولت مندوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنے سے محل نہیں مل جاتے۔ جب کوئی اپنی اوقات سے بڑھ چڑھ کر بات کرے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۶) ریوڑی کا کیا اُلٹا، کیا سیدھا: ریوڑی دونوں جانب سے ایک سی ہی ہوتی ہے یعنی اس کا اُلٹا سیدھا نہیں ہوتا۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز یا کام ہر طرح سے ایک سا ہی ہے، کسی رُخ ہیر پھیر نہیں ہے،

----

(۱۵) ز۔ کی کہاوتیں:

(۱) زبان آج کھلی ہے کل بند: زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ کیا معلوم کب موت آجائے۔

(۲) زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو: جس بات پر اکثریت متفق ہو وہ بہت وزن رکھتی ہے جیسے وہ اللہ کی طرف سے کہی جارہی ہے۔ گویا ہر شخص کا کسی بات پر متفق ہو جانا اُس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) زبان پر کانٹے پڑ گئے: سخت پیاس کا عالم ہے اور زبان خشک ہو کر چبھ رہی ہے۔

(۴) زبانی جمع خرچ ہے: یعنی باتیں ہی باتیں ہیں۔ کام کرنے کا وقت آئے گا تو شاید نظر بھی نہ آئیں۔

(۵) زبان سے نکلی آسمان پر چڑھی: ایک بار زبان سے نکلی تو پھر بات پر اختیار نہیں رہ جاتا ہے، چنانچہ بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے۔اس معنی میں متعدد کہاوتیں اور بھی ہیں جیسے ''پہلے بات کو تولو، پھر منھ سے بولو، حلق سے نکلی خلق میں پہنچی، منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات'' وغیرہ۔

(٦)زبردست کا ٹھینگا سر پر : ٹھینگا یعنی کھڑا انگوٹھا جو اہانت اور تحقیر کے لئے دشمن کو دکھایا جاتا ہے۔ظالم اور زبردست آدمی اپنی رعونت اور قوت کے اظہار کے لئے ٹھینگا سر کے اوپر کھڑا کر کے دکھاتا ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ ظالم کی بات ماننی ہی پڑتی ہے۔

(۷) زمین کی کہی، آسمان کی سُنی: اگر کہا کچھ جائے اور سننے والا دانستہ اس کا کچھ اور ہی مطلب لے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔اسی معنی میں ''کہیں کھیت کی، سنیں کھلیان کی'' بھی مستعمل ہے۔

(۸) زمین کا گز ہے : یعنی سیر سپاٹے کا شوقین ہے، کسی وقت نچلا نہیں بیٹھتا۔یہاں گز استعارہ ہے موصوف کی اس عادت کا۔ گویا زمین ناپتا پھرتا ہے۔

(۹) زمیں جنبد، نہ جنبد گلؔ محمد: یعنی چاہے زمین پر کیسے ہی انقلاب کیوں نہ آئیں گلؔ محمد اپنی جگہ سے ہلنے والا نہیں ہے۔ کوئی شخص اتنا ضدّی ہو کہ اپنی بات پر اَڑ جائے تو کوئی دلیل بھی اس پر کارگر نہ ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۰) زمین آسمان کا فرق ہے: بہت بڑا فرق ہے۔اتفاق واشتراک کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۱۱) زن، زر، زمین سب جھگڑے کی جڑ ہیں : دنیا کے بیشتر جھگڑے عورت (زن)، دولت (زر) یا پھر ملکیت و جائداد (زمین) کی وجہ سے ہوتے ہیں۔یہ کہاوت اسی حقیقت کا اعتراف واظہار ہے۔

(۱۲) زیادہ مٹھائی میں کیڑے پڑ جاتے ہیں: کیڑے پڑنا یعنی برائی کی صورت پیدا ہونا۔دو اشخاص کے درمیان بہت زیادہ میل ملاپ ہو تو ایک دن دل برائی اور اختلاف کی صورت نکل ہی آتی ہے۔اسی معنی میں ایک اور کہاوت مشہور ہے کہ ''قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا''۔

---

(١٦) س۔ کی کہاوتیں:

(۱) سانچ کو آنچ نہیں : سانچ یعنی سچائی، آنچ یعنی آگ کی گرمی، گزند یا نقصان۔ مطلب یہ ہے کہ سچ کی ہمیشہ ہی جیت ہوتی ہے۔ اس کو نہ چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو کوئی گزند پہنچائی جا سکتی ہے۔

(۲) ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے : ساون کے مہینہ میں بہت بارش ہوتی ہے اور ہر طرف ہریالی دکھائی دیتی ہے۔ بھادوں میں شدید گرمی پڑتی ہے اور ہر چیز سوکھ جاتی ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ اِن پر نہ تو ساون میں ہریالی آتی ہے اور نہ یہ بھادوں میں سوکھتے ہیں گویا ہر وقت ایک سا ہی حال رہتا ہے۔

(۳) سات ماموؤں کا بھانجہ بھوکا ہی رہتا ہے: یعنی اگر کوئی کام کئی آدمیوں پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کبھی نہیں ہوتا کیونکہ ہر ایک دوسرے پر ٹال دیتا ہے۔ اس کی مثال کہاوت ایسے بھانجے سے دیتی ہے جس کے سات ماموں ہوں اور وہ بھوکا رہے کیونکہ ہر ماموں کھلانے کی ذمہ داری دوسروں پر ٹال دیتا ہے۔

(۴) ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے: ساون میں اگر کوئی اندھا ہو جائے تو اس کے دماغ میں آنکھیں جانے سے پہلے کا سرسبز موسم ہی بسا رہتا ہے۔ گویا ہر شخص کا نقطہ ءنظر اس کے حالات کا پابند ہوتا ہے اور وہ ان سے باہر نہیں جا سکتا۔

(۵) سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹ رہے ہیں : یعنی کام کا وقت جب گزر گیا تو شور مچایا جا رہا ہے۔ سانپ گزر جائے تو ریت میں اس کی بنائی ہوئی لکیر کو پیٹنے سے کچھ حاصل نہیں۔ سانپ کو تو پہلے ہی مار دینا چاہئے تھا۔

(۶) : سارا گھر جل گیا تب چوڑیاں پوچھیں: ایک حکایت ہے کہ ایک عورت نے قیمتی اور خوبصورت چوڑیاں خریدیں۔ اسے شوق ہوا کہ لوگ اس کی چوڑیاں دیکھیں اور ان کی تعریف کریں۔ چنانچہ وہ بہانے سے لوگوں کے سامنے جا کر ہاتھ نچا نچا کر باتیں بنانے لگی۔ اتفاق سے کسی نے چوڑیوں پر غور نہیں کیا۔ کھسیا کر اُس نے اپنے گھر میں آگ لگا لی اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر شور مچانے لگی۔ لوگ آگ بجھانے دوڑ پڑے۔ اس افراتفری میں بھی کسی نے اس عورت کی چوڑیاں نہیں دیکھیں۔ گھر جل کر خاک ہو گیا تو ایک شخص کی نگاہ چوڑیوں پر پڑی اور اس نے اُن کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ عورت جھلا کر بولی کہ ''سارا گھر جل گیا تب چوڑیاں پوچھیں۔'' کہانی کی مناسبت سے کوئی شخص اپنی بے جا تعریف کرانے کی خاطر اپنا ہی نقصان کرنے سے بھی باز نہ آئے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۷) ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹتی ہے: ساجھا یعنی شراکت۔ چوراہے پر پھوٹنا یعنی راز کی تمام باتوں کا ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جانا۔ ساجھے کے کام میں عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ فریقین لڑتے ہیں اور لوگ تماشہ دیکھتے ہیں۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۸) سانس ہے تو آس ہے: جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس کی اُمیدیں بھی قائم رہتی ہیں۔ محل استعمال معنی سے

ظاہر ہے۔

(۹) ساس بہو کی ہوئی لڑائی، کرے پڑوسن ہاتھا پائی: دوسرے کے معاملات میں خواہ مخواہ پیر اَڑانا دانشمندی نہیں ہے بلکہ اس سے مزید مسائل پیدا ہونے کا امکان ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جھگڑا تو ساس بہو میں ہو رہا ہو اور پڑوسن دخل دے رہی ہو۔ کوئی کسی کے معاملہ میں غیر ضروری دخل اندازی کرے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۰) سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے: یعنی ایسی دانشمندی سے کام لینا کہ گوہر مقصود بھی حاصل ہو جائے اور کوئی نقصان بھی نہ ہو۔

(۱۱) ساری خدائی اک طرف، جورو کا بھائی اک طرف : جورو یعنی بیوی۔ جورو کا بھائی یعنی سالا۔ مشہور ہے کہ ہر شخص بیوی سے مرعوب ہو کر اسی کی طرفداری کرتا ہے حتیٰ کہ اگر ساری دُنیا اُس کے سالے کے خلاف ہو تب بھی وہ بیوی کے خوف سے اپنے سالے کی ہی طرفداری کرے گا۔

(۱۲) ساری رامائن پڑھ گئے، یہ نہیں پتہ کہ سیتاؔ رامؔ کی کون تھی : رامائنؔ (ہندوؤں کی مقدس کتاب) میں بھگوان رامؔ چندر کی بیوی کا نام سیتاؔ ہے۔ اگر کوئی شخص پوری رامائنؔ پڑھ جائے اور اس کو یہ بھی پتہ نہ چلے کہ سیتاؔ، رامؔ کی کون تھی تو یہ بہت ہی نالائقی کی بات ہو گی۔ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں بہت دخیل ہو لیکن اس کے کلیدی نکات و واقعات سے ہی ناواقف ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۳) سات سمندر پار : یعنی بہت دور۔ سات سمندر بڑے فاصلے کا استعارہ ہے۔ کوئی بہت دور جا بسے تو کہتے ہیں کہ وہ تو سات سمندر پار جا بسا۔

(۱۴) سامان سو برس کا ہے، پل کی خبر نہیں : یہ کہاوت انسان کی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائداری کا ذکر کر رہی ہے۔ معنی اور محل استعمال کہاوت سے ظاہر ہیں۔

(۱۵) سانپ کا کاٹا رسّی سے ڈرتا ہے : اگر کسی چیز سے کسی شخص کو نقصان پہنچے تو وہ اُس طرح کی ہر چیز سے ڈرتا ہے۔ اسی بات کو سانپ اور رسّی کی مشابہت سے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱۶) سانپ سونگھ گیا: عوام میں غلط مشہور ہے کہ اگر کسی کو سانپ سونگھ جائے تو اس کی بولنے کی قوت عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ بالکل خاموش ہو گیا یا عرف عام میں اُس کی بولتی بند ہو گئی۔

(۱۷) سانپ کے منھ میں چھچھوندر: عام خیال ہے کہ اگر سانپ چھچھوندر کو پکڑ لے تو وہ نہ تو اس کو نگل سکتا ہے اور نہ ہی اُگل سکتا ہے۔ سانپ کی اِس کشمکش کی وجہ کا علم نہیں ہو سکا۔ یہاں اشارہ ایسے مسئلہ کی جانب ہے جو کیا جائے تو زحمت کا باعث ہو اور چھوڑ دیا جائے تو بھی مصیبت پیدا کرے۔ یعنی تذبذب اور کشمکش کی کیفیت کا اظہار

مقصود ہے۔

(۱۸) سانپ کا پوت سنپولیا : پوت یعنی بیٹا۔ سنپولیا یعنی سانپ کا بچہ۔ جس طرح سانپ کا بچہ بھی چھوٹا سانپ ہوتا ہے اسی طرح برے آدمی کی اولاد بھی بری ہوتی ہے۔ گویا بچوں پر والدین کا اثر ہونا فطری بات ہے۔

(۱۹) سات پوت کا باپ بھوکا مرتا ہے: یعنی سات بیٹوں میں سے ہر ایک یہ فرض کر لیتا ہے کہ آج باپ کسی دوسرے بیٹے کے گھر کھانا کھالے گا۔ نتیجہ میں کوئی بھی اسے نہیں کھلاتا اور وہ بھوکا رہ جاتا ہے۔

(۲۰) ساجھے کا کام اُتارے چام: چام یعنی کھال۔ ساجھا یعنی شراکت۔ شرکت کا کام ہمیشہ مسائل اور فساد پیدا کرتا ہے کیونکہ اس میں پیسوں کا سوال پیش پیش رہتا ہے اور پیسہ جھگڑے کی جڑ ہے۔ یہاں کھال اُتارنے سے شرکت کے برے نتائج کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۱) ساری عمر بھاڑ ہی جھونکا: ساری عمر محنت کی لیکن کچھ کماکے نہ دیا۔

(۲۲) ساکھ لاکھ سے اچھی: ساکھ یعنی اعتماد، اعتبار، عزت۔ لاکھ سے مراد لاکھ روپے یا بہت سی دولت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اعتماد اور عزت دولت سے بیش قیمت ہوتی ہے۔

(۲۳) سب دن چنگے، تہوار کے دن ننگے: فضول خرچ آدمی کو جب ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا اور اسے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ کہاوت کا محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۲۴) سب دھان بائیس پنسیری : کلو گرام سے پہلے تولنے کے لئے سیر استعمال ہوتا تھا۔ پانچ سیر کو عوام پنسیری کہتے تھے۔ گویا کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اچھا برا ہر طرح کا دھان ایک روپے کا بائیس پنسیری (۱۱۰ سیر) بک رہا ہے۔ اگر کسی میدان عمل میں بھی اچھے برے کی تمیز اُٹھ جائے تو کہتے ہیں کہ ''سب دھان بائیس پنسیری بک رہا ہے''۔

(۲۵) سب کتے گئے کاشی تو ہنڈیا کس نے چاٹی: کاشی (بنارس) ہندوؤں کا متبرک شہر ہے۔ یعنی جب شہر کے سارے کتے کاشی تیرتھ کو چلے گئے تو آخر یہ ہنڈیا کون چٹ کر گیا؟ اگر کوئی کام خراب ہو جائے لیکن ہر شخص اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۲۶) سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے : ہر ایک کو اپنی خوشامد اچھی لگتی ہے۔ کہاوت میں عبادت کو خدا کی خوشامد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲۷) سر منڈاتے ہی اولے پڑے: ظاہر ہے کہ منڈے ہوئے سر پر اولوں سے سخت چوٹ آئے گی۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ابھی کام کی ابتدا ہی کی ہے اور طرح طرح کی مشکلات سامنے آنے لگیں۔

(۲۸) سر ڈھکو تو پیر کھل جاتے ہیں : اگر سوتے وقت چادر سے سر ڈھکیں تو پیر کھلے رہ جائیں اور پیر ڈھکیں تو سر کھلا رہ جائے تو چادر یقیناً چھوٹی ہے۔ اسی مناسبت سے جب ایک مسئلہ حل کیجئے اور اس کے نتیجہ میں دوسرا سامنے آجائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۲۹) سرائے کا کتا ہر مسافر کا یار : پرانے زمانے میں مسافروں کے لئے راستہ میں جابجا سرائے بنی ہوتی تھیں جہاں وہ رات کو قیام کر لیتے تھے۔ سرائے کا کتا کھانے کے لالچ میں ہر مسافر کے سامنے دُم ہلاتا گویا اپنی دوستی کا اظہار کرتا۔ جب کوئی شخص مجبوری کی حالت میں ہر ایک کو پُر اُمید نظروں سے دیکھے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۰) سرخاب کا پر لگا ہے: سرخاب کا خوبصورت پَر لوگ پگڑی یا ٹوپی میں امتیاز ظاہر کرنے کے لئے لگاتے ہیں۔ گویا سرخاب کا پر لگنا غیر معمولی خوبی کا استعارہ ہے۔ یہ کہاوت عام طور سے طنزیہ کہی جاتی ہے کہ ''اِن میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟'' یعنی ایسی کون سی غیر معمولی خصوصیت ہے جو اتنا اِترا رہے ہیں؟

(۳۱) سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے : عدیم الفرصتی کا اظہار مقصود ہے کہ اتنی بھی فرصت نہیں کہ سر کھجا لیں۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۲) سستا روئے بار بار، مہنگا روئے ایک بار: کوئی بھی چیز محض پیسے بچانے کے لئے سستی سے سستی نہیں لینا چاہئے کیونکہ سستی چیز اکثر گھٹیا ہوتی ہے اور بار بار مرمت اور توجہ چاہتی ہے۔ اچھی اور قیمتی چیز کارکردگی میں بہتر ہوتی ہے اور جلدی خراب نہیں ہوتی۔

(۳۳) سفر نمونۂ سقر: سقر یعنی دوزخ یا جہنم۔ کہاوت سفر کو دوزخ کا نمونہ کہہ رہی ہے کیونکہ سفر ہمیشہ تکلیف دہ اور صبر آزما ہوتا ہے۔

(۳۴) سکھ کے سب ساتھی، دُکھ میں نہ کوئے: دُکھ میں بقول کسے آدمی کا سایہ تک اُس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ وقت اچھا ہو تو دوست احباب سبھی گھیرے رہتے ہیں۔ محل استعمال ظاہر ہے۔

(۳۵) سگ بباش، برادر خورد مباش : یعنی کتّا بن جا لیکن چھوٹا بھائی مت بن۔ گھر میں چھوٹے بھائی پر ہر شخص حکم چلایا کرتا ہے اور اس کی کوئی نہیں سنتا۔ گویا سب سے زیادہ کمزور ہونا بھی ایک لعنت ہے۔

(۳۶) سنگ آمد و سخت آمد: یعنی ایک تو پتھر آیا، وہ بھی سخت۔ کسی بڑی مصیبت کا سامنا ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۳۷) سونے کا نوالہ کھلاؤ اور شیر کی نگاہ دیکھو : یہ کہاوت بچوں کی اچھی پرورش کا راز بتاتی ہے کہ اگر بچوں کا من بھاتا کھلایا جائے لیکن ان کی نگہ داشت اور تربیت سختی سے کی جائے تو اولاد اچھی نکلتی ہے۔

(۳۸) سونا اُچھالتے ہوئے چلے جاؤ: یعنی شہر میں اس قدر امن واَمان اور قانون کی پاسداری ہے کہ سرعام ہاتھ میں سونالے کر اس کو بغیر کسی تردد یا خوف وخطر کے اُچھالتے چلے جایئے۔

(۳۹) سوت نہ کپاس، جُلاہے سے لٹھم لٹھا : لٹّھم لٹّھا یعنی مار پیٹ، جھگڑا، بے تحاشہ لاٹھی چلانا۔ مطلب یہ ہے کہ سوت اور کپاس تو پاس ہے نہیں اور جلاہے سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ جب کوئی شخص بلا وجہ بحث یاد نگا فساد کرے تب یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ اس کے پس منظر کے طور پر کئی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہاں دَرج کی جاتی ہے۔ ایک ٹھاکر صاحب ایک جلاہے کے گھر پہنچے اور اس سے کہا کہ ''میرے لئے ایک کرتے کا کپڑا بُن دو۔'' جُلاہے نے کہا کہ ''میرے پاس سُوت نہیں ہے۔ آپ سوت دے دیں تو کپڑا بن دوں گا۔'' ٹھاکر نے جھلا کر کہا کہ ''سوت نہیں ہے تو کپاس لے کر کات کیوں نہیں لیتے۔'' جلاہے نے جواب دیا کہ ''کپاس بھی نہیں ہے۔ میں کیا کروں۔'' ٹھاکر صاحب غصہ میں لاٹھی تان لی، جلاہے نے بھی جواب میں ڈنڈا اُٹھالیا اور دونوں میں خوب لاٹھی چلی۔

(۴۰) سونے پر سہاگہ : سونے کا رنگ نکھارنے کے لئے سہاگہ (ایک طرح کا کیمیاوی مرکب) استعمال ہوتا ہے۔ کسی بات کی معنویت یا لطف بڑھانے کے لئے کوئی اضافی نکتہ بیان کیا جائے تو اسے سونے پر سہاگہ کہتے ہیں گویا یہ بات تو یوں بھی خوبصورت تھی مگر اب اور بہتر ہو گئی ہے۔

(۴۱) سورج خاک ڈالنے سے نہیں چھپتا: جس طرح سورج پر خاک اُچھالنے سے اس کی توانائی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اسی طرح بزرگوں اور اہل حیثیت پر کسی کی اوچھی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کہاوت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح سورج پر پھینکی ہوئی خاک لوٹ کر خود پھینکنے والے پر آ گرتی ہے اُسی طرح بڑوں کی برائی کرنے والا بھی اپنی زبان درازی اور کم فہمی کا خمیازہ بھگتتا ہے۔

(۴۲) سودِن چور کے تو ایک دن شاہ کا : چور آخر کار پکڑ کر کیفر کردار کو پہنچا ہی دیا جاتا ہے۔ یعنی برائی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے اور پھر برا کرنے والے کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

(۴۳) سویا مرا برابر : سویا ہوا آدمی اسی طرح اپنے گرد وپیش سے بے خبر ہوتا ہے جیسے مردہ۔ کہاوت کا یہی مطلب ہے۔

(۴۴) سوسُنار کی، ایک لوہار کی : سُنار اپنے نازک اور باریک کام میں بہت ہلکی ہتھوڑی سے کام لیتا ہے جب کہ لوہار اپنے بھاری کام میں بڑا ہتھوڑا استعمال کرتا ہے۔ اس طرح لوہار کی ایک ضرب سُنار کی سیکڑوں ضربوں کے برابر ہوتی ہے۔ جب کوئی مسئلہ بہت سی نرم باتوں سے حل نہ ہو لیکن ایک پر زور اور سخت بات کام کر جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۵) سولہا سنگھار کرنا : پرانے زمانے میں خواتین مسّی، سرمہ، مہندی، سرخی وغیرہ سنگھار کے لئے استعمال کرتی تھیں۔ زیورات ان کے علاوہ تھے۔ سولہا سنگھار کرنا یعنی بہت اچھی طرح بننا سنورنا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ سولہا سے واقعی سولہا قسم کے لوازماتِ آرائش مقصود ہیں یا یہ محض بھرپور سنگھار کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ گمان اغلب ہے کہ اچھی طرح سنگھار ہی مقصود ہے۔

(۴۶) سوئی کا بھالا بنا دیا : یعنی چھوٹی سے بات کو بڑھا چڑھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اس کو ''بات کا بتنگڑ بنانا'' یا ''رائی کا پربت بنانا'' بھی کہتے ہیں۔

(۴۷) سہج پکے سو میٹھا : جو پھل شاخ پر ہی پک کر تیار ہو وہ زیادہ لذیذ اور میٹھا ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے جو کام بھی صبر کے ساتھ کیا جائے بہتر ہوتا ہے جبکہ وہی کام جلدبازی میں خراب ہو سکتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک اور کہاوت ہے کہ ''جلدی کا کام شیطان کا''۔ اس کو ''صبر کا پھل میٹھا'' بھی کہتے ہیں۔

(۴۸) سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہو گئے: سینگ کاٹنے سے بیل، بچھڑا نہیں بن جاتا ہے۔ اپنی اصل عمر چھپا کر کوئی شخص خود کو اگر کم عمر نوجوان ظاہر کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ کہاوت میں ہتک اور طنز کا پہلو مخفی ہے کیونکہ لوگ اپنی عمر عموماً کسی گھٹیا مقصد کی خاطر ہی کم بتاتے ہیں۔

(۴۹) سیر کو سوا سیر مل ہی جاتا ہے : کلو گرام سے پہلے ہندوپاک میں سیر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں سیر سے مراد ایسا آدمی ہے جس کو اپنی طاقت یا دولت پر غرور ہو۔ ایسا آدمی شیخی میں اکثر بھول جاتا ہے کہ دُنیا میں اس سے بھی زیادہ طاقت ور اور دولت مند لوگ موجود ہیں۔ زندگی کسی نہ کسی موقع پر اس کو یہ سبق بھی سکھا ہی دیتی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۵۰) سیدھی انگلی گھی نہیں نکلتا : دودھ کو بلویا جائے تو گھی الگ ہو کر اُس میں تیرنے لگتا ہے۔ اس کو چکھنے کے لئے ایک انگلی چمچے کی طرح ٹیڑھی کر کے گھی نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ میں انگلی سیدھی ڈال کر کھینچ لی جائے تو گھی نہیں نکلے گا۔ کسی مسئلہ کے حل میں سیدھے سبھاؤ کام نہ چلے اور سختی کی ضرورت ناگزیر ہو جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے یعنی اب سختی کرنی ہی پڑے گی۔

(۵۱) سیّاں بھیے کوتوال، اب ڈر کاہے کا : سیّاں یعنی محبوب یا شوہر جب شہر کو توال ہو گیا تو گویا خود محبوبہ بھی شہر کی مالک ہو گئی۔ اگر کوئی صاحب دولت ورسوخ کسی شخص کا پشت پناہ ہو جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے کہ اب ڈر کس بات کا۔

(۵۲) سینے پر سانپ لوٹ گیا: یعنی بے حد رشک وحسد کا شکار ہوا۔ کسی کے سینہ پر سانپ لوٹ جائے تو وہ انتہائی

خوف زدہ تو یقیناً ہو گا لیکن حسد کیوں محسوس کرے گا یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

----

(۱۷) ش۔ کی کہاوتیں:

(۱) شام کے مرے کو کہاں تک روییٔے: شام کے وقت اگر کسی کی وفات ہو جائے تو کوئی اس کو رات بھر بیٹھا نہیں روتا ہے یعنی رنج بھی کوئی ہر وقت نہیں کر سکتا۔ کچھ دیر کے رونے کے بعد صبر آ ہی جاتا ہے۔

(۲) شترِ بے مہار: مہار یعنی وہ ڈوری جو اُونٹ کی ناک میں اُسے قابو میں رکھنے کے لئے ڈالی جاتی ہے۔ شتر بے مہار ایسا شخص ہو گا جو قابو سے باہر ہو اور جس کو راہ راست پر لانا دُشوار ہو۔

(۳) شملہ بقدر علم: پگڑی یا صافے کا جو حصہ گردن کے پیچھے لٹکا رہتا ہے شملہ کہلاتا ہے۔ نادان لوگ اس کی لمبائی سے صاحب صافہ کے علم کا اندازہ لگاتے ہیں۔ یہ کہاوت طنزیہ کہی جاتی ہے۔

(۴) شود ہم پیشہ باہم پیشہ دُشمن: یعنی آدمی اپنے ہم پیشہ لوگوں کا دُشمن ہوتا ہے۔ کہاوت اسی حقیقت کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۵) شہر میں اونٹ بدنام: یعنی جو شخص جانا پہچانا اور بڑا ہوتا ہے اس پر ہی سب کی نظر پڑتی ہے اور الزام بھی اسی پر آتا ہے۔

(۶) شیطان کے کان بہرے: یہ عورتوں کی کہاوت ہے۔ جب وہ کوئی راز کی بات کسی سے کہتی ہیں تو پہلے ''شیطان کے کان بہرے'' کہہ دیتی ہیں۔ گویا یہ ایک قسم کا ٹوٹکا یا دعائیہ کلمہ ہے کہ یہ بات کوئی غلط شخص نہ سن لے۔

(۷) شیروں کا منھ کس نے دھویا ہے: بچوں کا دل بڑھانے کے لئے ان سے یہ فقرہ کہا جاتا ہے کہ تم تو ایسے اچھے اور ہمت والے ہو پھر یہ بے ہمتی کیسی۔

(۸) شیر مادر ہے: یعنی ایسا پاک اور قابل قبول ہے جیسے اپنی ماں کا دودھ۔ جب کوئی شخص ایک ناجائز کام کرے اور اس کو اپنا حق جتائے تو یہ کہاوت طنزیہ بولی جاتی ہے۔

(۹) شیطان کی آنت: یعنی بہت لمبی، لامتناہی۔

(۱۰) شین قاف درست نہیں ہے: جاہل مطلق ہے، اتنا نااہل ہے کہ صحیح لکھ پڑھ بھی نہیں سکتا۔

(۱۱) شیخ چلّی کے خواب : شیخ چلی پرانی کہانیوں کا ایک فرضی اور مزاحیہ کردار ہے جس کی ہر بات دنیا سے نرالی ہوتی ہے۔ شیخ چلّی کے خواب سے مراد کسی شخص کے ایسے منصوبے ہیں جو نہ صرف نا قابل حصول ہوں بلکہ عجیب وغریب اور مضحکہ خیز بھی ہوں۔

----

(۱۸) ص۔ کی کہاوتیں:

(۱) صاد کر دیا : پہلے زمانے میں جب خبر رسانی کے جدید ذرائع موجود نہیں تھے تقریبات کا دعوت نامہ کاغذ پر لکھ کر مہمانوں کی ایک فہرست کے ساتھ کسی خبر رساں (عموما گھر کے نائی یا نائن) کے ہاتھ مہمانوں کو بھیجا جاتا تھا۔ ہر گھر میں خبر رساں زبانی دعوت سناتا اور وہ کاغذ دستخط کے لئے پیش کرتا۔ مدعو کئے ہوئے گھر کا کوئی بڑا آدمی اس فہرست پر اپنے نام کے آگے تصدیق کے لئے حرف صاد (ص) بنا دیتا تھا۔ اس کو صاد کرنا (یعنی دعوت قبول کرنا، تصدیق کرنا) کہتے تھے۔

(۲) صبح کا بھولا شام گھر آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے: یعنی اگر کوئی شخص اپنی غلطی وقت پر مان لے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرے تو وہ قابل تعذیر نہیں ہے۔ یہ کیا کم ہے کہ اس کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ کہاوت میں اُسے ایسے شخص کی مثال سے ظاہر کیا گیا ہے جو صبح کو راہ بھول جائے لیکن شام کو اپنے گھر کا راستہ پہچان کر واپس آ جائے۔

(۳) صحیح گئے، سلامت آئے :یعنی جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس بھی آ گئے۔

(۴) صورت نہ شکل، بھاڑ میں سے نکل: بدصورت آدمی کے لئے کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ کا علم نہیں۔ کہاوتوں میں اکثر الفاظ کو ان کے عوامی تلفظ میں ادا کیا جاتا ہے جیسے یہاں شکل کو کاف پر زبر کے ساتھ نکل سے ہم قافیہ بنا کر ادا کیا گیا ہے۔

----

(۱۹) ض۔ کی کہاوتیں:

(۱) ضرب الامثال اشعار: اُردو میں منتخب اشعار کو بطور ضرب الامثال استعمال کرنے کی روایت پرانی بھی اور اپنے نتائج میں نہایت دلکش و دلفریب بھی۔ اچھی اور ٹکسالی نثر بجائے خود اپنا حسن رکھتی ہے۔ مرزا غالبؔ اور محمد حسین آزاد سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد، نیازؔ فتحپوری، جوشؔ ملیح آبادی، مشتاق احمد یوسفی اور ایسے ہی دوسرے ادبا نے نثر نگاری میں اپنے قلم کے جوہر خوب خوب دکھائے ہیں جن کو پڑھ کر دل سے بے ساختہ واہ نکل جاتی ہے۔ اچھی نثر میں اگر فنکاری اور صناعی کے ساتھ منتخب اور برجستہ اشعار کا جادو جگایا جائے تو ایسی نثر اپنی دلکشی اور اثر پذیری میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ یہ ایک مشکل فن ہے اور زبان و بیان پر نہ صرف مکمل عبور چاہتا ہے بلکہ ایسے ادبی اور شعری ذوق کا بھی متقاضی ہے جو ہر ایک کو ودیعت نہیں ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے مولانا ابوالکلام آزادؔ کی ''غبار خاطر'' پڑھی ہے ان کی نگاہ سے اشعار کے ذریعہ نثر کو آسمان پر پہنچانے کے فن کی درجنوں اعلیٰ ترین مثالیں گزری ہیں۔ مولانا آزادؔ کتاب میں جابجا اُردو، فارسی اور عربی کے انتہائی منتخب، خوبصورت اور باموقع اشعار اس طرح کھپاتے چلے جاتے ہیں کہ قاری ہر لفظ پر عش عش کرتا رہ جاتا ہے۔ کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ کوئی شعر بھرتی کا یا غیر ضروری ہے۔ مزاح نگاروں میں مشتاق احمد یوسفی نے اس فن کو ایک نئی شکل دے کر درجۂ کمال کو پہنچا دیا ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں اُردو اور فارسی کے اشعار اور مصرعوں کو کمالِ صناعی سے الفاظ کے ردوبدل اور ہیر اپھیری سے مزاح کی چاشنی عطا کرتے ہیں اور پھر ان کو اپنی شگفتہ اور جاں افروز نثر میں اس طرح سمو دیتے ہیں کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

ضرب الامثال اشعار نثر میں مختلف حوالوں اور تقاضوں سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کہیں یہ محض زیب داستان کے لئے شامل کئے جاتے ہیں، کہیں نصیحت و تلقین کا پیرایہ اختیار کر لیتے ہیں، کبھی متعلقہ نثر کی توضیح و تشریح میں معاونت کرتے ہیں تو کبھی اس کے متعلقات میں اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں۔ اشعار نثر میں شگفتگی، معنویت، شوخی، تنبیہہ، حکیمانہ رنگ، رموز تصوف غرضیکہ انسانی تجربات، مشاہدات اور محسوسات کا ہر رنگ و آہنگ پیدا اور اُجاگر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بشرطیکہ انھیں ماہرانہ انداز میں استعمال کیا جائے۔ چونکہ اردو کا خمیر فارسی سے مستعار ہے اور اس کی شعری روایت تمام و کمال فارسی ہی کی مرہون منت ہے اس لئے اردو میں فارسی اشعار بھی بکثرت ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں اُردو اور فارسی کے ایسے ہی متعدد اشعار لکھے جا رہے ہیں۔ فارسی اشعار کا ترجمہ بھی قارئین کی سہولت کے لئے لکھ دیا گیا ہے۔

ہرچند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت — دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

ہوئے مرکے ہم جو رُسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا ، نہ کہیں مزار ہوتا

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دُشمن آسماں اپنا

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اَور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اَور

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
اب عناصر میں اعتدال کہاں

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

چاہتے ہیں خوب رُویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

(مرزا غالبؔ)

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

خیالِ خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

(میر ببر علی انیسؔ)

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میرؔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے

(میر تقی میرؔ)

عمر ساری تو کٹی عشق بُتاں میں مومن آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یہ عذر امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا میں الزام اُن کو دیتا تھا، قصور اپنا نکل آیا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

(مومن خاں مومنؔ)

تنگدستی اگر نہ ہو سالکؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

(سالکؔ دہلوی)

لوں جان بیچ کر بھی جو فضل و ہنر ملے جس سے ملے، جہاں سے ملے، جس قدر ملے

(اسمٰعیل میرٹھی)

نہ جانا کہ دُنیا سے جاتا ہے کوئی بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

(مرزا خاں داغؔ دہلوی)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

اُن کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت نہ وہ دیوار کی صورت ہے، نہ دَر کی صورت

(الطاف حسین حالیؔ)

آئے بھی لوگ، بیٹھے بھی، اُٹھ کر چلے گئے میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

(حیدر علی آتشؔ لکھنوی)

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

(سید انشاؔ)

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

(لاعلم)

جس طرح کی تان سنئے اک نرالا راگ ہے شوقؔ اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ ہے

(شوقؔ لکھنوی)

کھاتے تھے اپنی بھوک تو سوتے تھے اپنی نیند ‏ ‏ ‏ ‏ مانا قفس میں تھے ہمیں کھٹکا تو کچھ نہ تھا

وقت پیری شباب کی باتیں ‏ ‏ ‏ ‏ ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

(ریاضؔ خیر آبادی)

یہ دَورِ مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی ‏ ‏ ‏ ‏ جو بڑھ کر خود اُٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

(شادؔ عظیم آبادی)

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر ‏ ‏ ‏ ‏ لوگ آتے ہی گئے اور کارواں بنتا گیا

(لاعلم)

گل پھینکے ہے اَوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی ‏ ‏ ‏ ‏ اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

کون ایسا ہے جسے دست ہو دلسازی کا ‏ ‏ ‏ ‏ شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

سوداؔ خدا کے واسطے کر قصہ مختصر ‏ ‏ ‏ ‏ اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

(مرزا محمد رفیع سوداؔ)

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ‏ ‏ ‏ ‏ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ‏ ‏ ‏ ‏ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ‏ ‏ ‏ ‏ ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

(علامہ اقبالؔ)

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے امیرؔ ‏ ‏ ‏ ‏ مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(نواب محمد یار خاں امیرؔ)

آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلیٰ ‏ ‏ ‏ ‏ صد حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا

اے ذوقؔ تکلف میں ہے تکلیف سراسر ‏ ‏ ‏ ‏ آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے

(شیخ ابراہیم ذوقؔ)

طے کر چکا ہوں راہِ محبت کے مرحلے ‏ ‏ ‏ ‏ اس سے زیادہ حاجت شرح و بیاں نہیں

(رازؔ چاند پوری)

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے ‏ ‏ ‏ ‏ دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب　　موت کیا ہے؟ انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

(منشی برج نارائن چکبستؔ لکھنوی)

صد سالہ دَورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دَور　　نکلے جو میکدے سے تو دُنیا بدل گئی

(گستاخؔ رامپوری)

بڑے پاک طینت، بڑے پاک باطن　　ریاضؔ آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

(ریاضؔ خیر آبادی)

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں　　کہیں واعظ وَلی نہ ہو جائے

(بیخودؔ بدایونی)

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے　　پسینہ پوچھئے اپنی جبیں سے

(انوارؔ دہلوی)

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اِن سے　　یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

(نادرؔ لکھنوی)

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند　　دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

(قائمؔ چاندپوری)

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار　　فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وَفا مپرس

(حافظؔ شیرازی)

صائبؔ دو چیز می شکند قدر شعر را　　تحسین ناشناس و سکوتِ سخن شناس

(صائبؔ)

اے سرو بتو شادم شکلت بفلاں ماند　　اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

(حسنؔ سنجری دہلوی)

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

(نظیریؔ)

(۲) ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے: مجبوری کی صورت میں آدمی سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ گدھے کو باپ بنانا حقیر و نازیبا کام یا بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کام بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

(۳) ضرورت ایجاد کی ماں ہے : اگر انسان کو کسی چیز کی انتہائی ضرورت پڑ جائے تو وہ کوئی نہ کوئی شکل اپنی ضرورت رفع کرنے کی نکال ہی لیتا ہے۔

ــــــــــــــــــــــ

(۲۰) ط۔ کی کہاوتیں:

(۱) طاق پہ بیٹھا اُلو، بھر بھر مانگے چُلّو : جب کوئی نااہل اور ناکارہ آدمی کسی ایسے منصب پر فائز ہو جائے جہاں سے وہ اپنے سے زیادہ اہل لوگوں پر حکم چلائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲) طباقی کُتا : وہ کتا جو اِدھر اُدھر کھانے کی تلاش میں پھرے طباقی کُتا کہلاتا ہے۔اس مناسبت سے یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے بھی بولی جاتی ہے جو اِدھر اُدھر مفت کھانے کی فکر میں پھرتا ہو۔

(۳)طشت از بام : مکان کی چھت سے دیکھیں تو زمین پر رکھی طشتری صاف نظر آتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ بات بالکل صاف اور سب پر ظاہر ہے،اس کو چھپانے سے کچھ حاصل نہیں۔

(۴) طویلے کی بلا، بندر کے سر: طویلہ یعنی جانور باندھنے کی جگہ۔مطلب یہ ہے کہ جرم کوئی کرے اور پکڑا کوئی اور جائے۔اس معنی میں ’’کرے کوئی، بھرے کوئی‘‘اور ’’کرے داڑھی والا، پکڑا جائے مونچھوں والا‘‘ بھی بولتے ہیں۔

(۵) طوطی کی آواز نقار خانہ میں کون سنتا ہے : یعنی کمزور آدمی کی شکایت اور فریاد طاقت ور کے سامنے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

(۶)طوطی بول رہا ہے: یعنی چاروں طرف شہرت اور غلغلہ ہے۔بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔

ــــــــــــــــــــــــــ

(۲۱) ظ۔ کی کہاوتیں:

(۱) ظالم کی رسی دراز : مشہور ہے کہ ظالم کی رسّی دراز ہوتی ہے یعنی اس کے ظلم کی مدت طویل ہوتی ہے لیکن بالآخر

وہ کیفر کردار کو پہنچتاہے اور اپنے کئے کا پھل پاتا ہے گویا اسی دَراز رَسّی سے پھانسی پاتا ہے۔

(۲) ظالم کی داد خدا کے گھر: یعنی ظالم کو سزا اللہ ایک نہ ایک دن ضرور دیتا ہے۔

---

(۲۲) ع۔ کی کہاوتیں:

(۱) عشق است وہزار بد گمانی: عشق کی جانب سے دُنیا ہمیشہ بد گمان رہتی ہے۔ایک عشق ہزار بد گمانیاں پیدا کر سکتا ہے۔

(۲) عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے : عشق کی علامات اور مشک کی خوشبو کسی طرح چھپائے نہیں جاسکتے اور دُنیا پر ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

(۳) عقل مند ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا : اگر کسی سوراخ میں ہاتھ ڈالا جائے اور کوئی کیڑا کاٹ لے تو عقل کا تقاضا ہے کہ پھر اُس سوراخ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے۔اسی طرح اگر کسی کام یا شخص سے ایک بار نقصان اٹھانا پڑے تو ایسے کام اور ایسے شخص سے پرہیز دانش مندی کی نشانی ہے۔

(۴) عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے: کم عقل کو کسی طرح بھی بات سمجھایئے اس کی سمجھ میں نہیں آتی اور عقل مند ذرا سے اشارے میں بات سمجھ جاتا ہے۔یہ کہاوت یہی کہہ رہی ہے۔

(۵) عقل کے ناخن لو: عقل کی بات کرواَور نادانی چھوڑو۔

(۶) عقل بڑی کہ بھینس: نادان آدمی کی تنبیہہ کی خاطر یہ کہاوت کہی جاتی ہے گویا بغیر سوچے سمجھے کام کرنے پر فکر و عقل کو ترجیح دینے کی اہمیت اس فقرہ سے شرم دلا کر ظاہر کی گئی ہے۔

(۷) عقل ماری گئی ہے: یعنی بے عقل ہو گیا ہے، بدحواسی میں عقل کا استعمال ہی بھول گیا ہے۔اسے ”مت ماری گئی ہے“ بھی کہتے ہیں۔

(۸) عقل گھاس چرنے گئی ہے : اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ”عقل ماری گئی ہے“ کا ہے۔یہاں طنز و تحقیر کا عنصر غالب ہے۔

(۹) عمر نوح چاہئے: حضرت نوحؑ کی عمر بہت لمبی مشہور ہے۔عمر نوح چاہئے یعنی کسی کام کو کرنے کے لئے بڑی

مدت چاہئے۔

(۱۰) عید کا چاند ہو گئے: عید کا چاند سال میں ایک بار نظر آتا ہے۔ کوئی شخص کبھی کبھار نظر آ جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے اور اس میں خوشی اور شکایت دونوں عناصر موجود ہیں۔

(۱۱) عید کا چاند کدھر سے نکل آیا: جب کسی عزیز سے ایک مدت کے بعد اچانک ملاقات ہو جائے تو خوشی اور حیرت کے اظہار کے طور پر یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۱۲) عید کا چاند ہو گئے :یعنی عید کے چاند کی طرح عرصہ بعد ہی نظر آتے ہیں۔

----

(۲۳) غ۔ کی کہاوتیں:

(۱) غرور کا سر نیچا: یعنی غرور کی ہمیشہ شکست ہوتی ہے۔ مغرور آدمی رعونت سے سر اونچا کر کے چلنے کا عادی ہوتا ہے۔ کہاوت تنبیہہ کر رہی ہے کہ بالآخر یہ سر نیچا ہو جائے گا سو غرور سے احتراز بہتر ہے۔

(۲)غرض نکلی آنکھ بدلی: جب تک کسی سے غرض اٹکی ہو، آدمی اُس سے عاجزی اور مصنوعی خوشدلی سے پیش آتا ہے۔ غرض پوری ہوتے ہی اُس کی نظر بدل جاتی ہے۔ کہاوت انسان کی اسی خصلت کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۳) غرض کے وقت گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں: ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہے اور اپنے مطلب کے لئے خراب سے خراب کام کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔اس خود غرضی کو گدھے کو باپ بنانے کے ذلیل عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۴) غریب کو ٹپکے کا ڈر بہت ہوتا ہے: مفلسی بری بلا ہے۔ غریب آدمی کو ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ بارش میں اس کی جھونپڑی ٹپکے گی اور اس کو بیٹھنے کے لئے سوکھی زمین بھی نہیں ملے گی۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ کمزور آدمی کو ذرا ذرا سی بات کا خوف ستاتا رہتا ہے۔

(۵) غریبی اور آٹا گیلا : اگر کسی غریب آدمی کے پاس تھوڑا سا ہی آٹا ہو اور گوندھتے وقت اُس میں ضرورت سے زیادہ پانی پڑ جائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ گویا ایک تو ویسے ہی غریب تھا اَب اُس پر آٹا گیلا ہونے کی وجہ سے روٹی سے بھی گیا۔ یہ کہاوت اُس وقت استعمال ہوتی ہے جب ایک مشکل سے چھٹکارہ نہ ملے اور اس میں ایک اور مشکل پیدا ہو جائے۔

(۶) غم نہ داری بُز بخر: بُز یعنی بکری۔ یعنی اگر تجھ کو کوئی غم نہیں ہے تو ایک بکری خرید لے۔ بکری کی دیکھ بھال بظاہر آسان معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل بہت محنت اور وقت چاہتی ہے۔

---

(۲۴) ف۔ کی کہاوتیں:

(۱) فارسی ہے تو واہ واہ: کوئی شخص بغیر سمجھے بوجھے کسی بات کی خواہ مخواہ تعریف کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی بزرگ کے مزار پر قوالیاں ہو رہی تھیں۔ عقیدت مندوں اور مریدوں کا ہجوم تھا اور لوگ بڑھ چڑھ کر قوالوں سے طرح طرح کی قوالی سنانے کی فرمائش کر رہے تھے۔ ایک جاہل اور کم عقل مرید نے سوچا کہ اگر میں نے کوئی فرمائش نہیں کی تو میری بڑی سبکی ہو گی۔ چنانچہ اس نے بڑھ کر قوال سے فارسی کی کوئی چیز سنانے کی فرمائش کی۔ قوال نے کہا کہ ’’حضور! ابھی میں جو قوالی سنا رہا تھا وہ فارسی کی ہی تو تھی۔‘‘ اس پر اُس مرید نے جیب سے روپے نکال کر قوال کو دیتے ہوئے کہا کہ ’’فارسی ہے تو واہ واہ۔‘‘

(۲) فرعونِ بے سامان ہے: بے حیثیت لیکن مغرور اور برخود غلط آدمی کے لئے یہ فقرہ استعمال کیا جاتا ہے کہ حیثیت تو کچھ ہے نہیں لیکن رعونت اور طنطنے میں کسی فرعون سے خود کو کم نہیں سمجھتا۔

(۳) فقیر چلا جاتا ہے اور کتے بھونکتے رہ جاتے ہیں: اگر کوئی فقیر آواز لگاتا ہوا آئے اور محلہ کے کتّے اُس پر بھونکنے لگیں تو ان کے بھونکنے سے فقیر کا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ کہاوت ایک فارسی کہاوت کا چربہ ہے، ’’آواز سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا‘‘ (کتوں کے بھونکنے سے فقیر کا رزق کم نہیں ہو جاتا ہے)۔ گویا اگر آدمی اپنے کام سے کام رکھے تو اِدھر اُدھر کے شور سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

---

(۲۵) ق۔ کی کہاوتیں:

(۱) قاضی دُبلے کیوں، شہر کے اندیشے سے: قاضیٔ شہر سارے شہر کی ذمہ داری سے فکر مند و پریشان رہتا ہے۔

اسی مناسبت سے جس شخص کو اہم ذمہ داریاں دی جائیں وہ عموماً پریشان و فکر مند رہتا ہے کہ کہیں کام بگڑ نہ جائے اور اس کے نام پر دھبہ آئے۔

(۲) قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے: چالاک آدمی کے گھر کا چھوٹے سے چھوٹا شخص بھی چالاک ہوتا ہے۔

(۳) قافیہ تنگ ہے : یعنی بات نہیں بن رہی ہے یا سوجھ نہیں رہی ہے۔شاعر کو نئے قافیے نہ سوجھیں تو اس کو قافیہ تنگ ہونا کہتے ہیں۔

(۴) قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہونا : یعنی اتنا بوڑھا ہونا کہ موت بہت قریب ہو۔اگر کوئی شخص بڑھاپے میں بھی بری عادتوں سے باز نہ آئے تو یہ کہاوت طنزاً اور تنبیہہ کے طور پر بولی جاتی ہے۔

(۵) قبر پر قبر نہیں بنتی ہے: یعنی قرض لے کر اس پر مزید قرض نہیں ملتا ہے کیونکہ قرض خواہ مقروض کی حالت سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔

(۶) قبر کے مردے اُکھاڑنا: پرانے قضیے اور جھگڑے نکال کر لانا اور فساد کی صورت پیدا کرنا۔

(۷) قدر کھودیتا ہے ہر روز کا آنا جانا: یعنی کسی شخص سے ضرورت سے زیادہ ملنا ملانا ہو تو بہت جلد اس تعلق میں سرد مہری پیدا ہو جاتی ہے۔مثلاً کسی کے گھر ملاقات کی غرض سے روزانہ چکر لگایا جائے تو جلد ہی اُس دوست کے دل سے آنے والے کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ کہاوت میں تنبیہہ ہے کہ آپس کے تعلقات میں بھی میانہ روی ہونی چاہئے۔

(۸) قرض مقراض محبت ہے: مقراض یعنی قینچی۔قرض بہت بڑی لعنت ہے اور عموماً قرض خواہ اور مقروض کے درمیان جھگڑے اور رنجش کا باعث ہوتا ہے۔اسی لئے اسے محبت کی قینچی کہا گیا ہے۔

(۹) قطرہ قطرہ دریا ہوتا ہے : یعنی تھوڑی تھوڑی چیز مل کر بہت ہو جاتی ہے جس طرح بارش کے بے وقعت قطروں سے دریا بھر جاتے ہیں۔اس کہاوت میں ہدایت ہے کہ کسی اچھے کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر ایسے بہت سے کام یکجا ہو جائیں تو تقدیریں بدل سکتی ہیں۔

(۱۰) قلعی کھل گئی : یعنی تمام راز فاش ہو گیا۔برتن کی قلعی اُتر جائے تو اس کی اصل شکل سامنے آجاتی ہے۔ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ ظاہری نمود و نمائش اُتر جانے پر انسان کی اصل خصلت و شخصیت سامنے آجاتی ہے۔

(۱۱) قول مرداں جان دارد : مردوں کی بات میں جان ہوتی ہے یعنی ان کی زبان کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۲) قہر درویش بر جان درویش: یعنی فقیر کا غصہ خود فقیر کی ہی جان پر اُترتا ہے۔فقیر اگر کسی پر غصہ کرے بھی تو سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔لہٰذہ اس کا غصہ اسی کی جان تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۲۶) ک۔ کی کہاوتیں:

(۱) کان پڑی آواز سنائی نہ دینا : شوروغل کی جگہ اگر کسی سے کچھ کہنا ہو تو اس کے کان کے قریب منھ لا کر بلند آواز میں بات کہی جاتی ہے۔اس کو ''کان پڑی آواز'' کہتے ہیں۔اگر پھر بھی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۲) کانی کوڑی کا بھی نہیں : پہلے زمانے میں کوڑی بھی بازار میں چھوٹے سکے کے طور پر چلتی تھی۔ایک پیسے میں پانچ کوڑیاں ہوتی تھیں۔اگر کوڑی میں سوراخ ہو تو وہ کانی کہلاتی ہے اوراس کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ بالکل بے وقعت اور ناکارہ ہے۔

(۳) کانوں کان خبر نہ ہونا : کانوں کان یعنی کان میں رازداری سے کہنا۔مطلب یہ کہ کسی کو بھی خبر نہ ہونا۔

(۴) کان پر جوں تک نہیں رینگتی: کسی کے کان پر جوں رینگے تو اس کو بے چینی ہوتی ہے۔ کان پر جوں رینگنے کا احساس نہ ہونا مکمل بے حسی کی نشانی ہے۔جب کسی شخص پر مسلسل تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۵) کاٹو تو لہو نہیں بدن میں: انتہائی شرمندگی یا خوف وہراس میں آدمی کے ہوش وحواس اُڑ جائیں تو یہ کہاوت استعمال ہوتی ہے۔اسے ''خون خشک ہو جانا'' بھی کہتے ہیں۔

(۶) کالے آدمی صابن سے گورے نہیں ہو جاتے: آدمی کی خصلت لاکھ تدبیریں کرنے کے بعد بھی نہیں بدلتی۔ کہاوت اس کی مثال ایسے کالے آدمی سے دے رہی ہے جو صابن سے اپنا رنگ گورا کرنے کی فکر میں ہو۔

(۷) کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے: یعنی انتہائی غصہ کے عالم میں ہے۔ کہاوت سے پاگل کتے کی خوفناک تصویر سامنے آتی ہے۔

(۸) کام کا نہ کاج کا، دُشمن اناج کا: یہ فقرہ ناکارہ اور مفت خور شخص کے لئے کہا جاتا ہے۔اناج کا دشمن یعنی کھانے پینے کا شوقین۔

(۹) کام چور، نوالہ حاضر: یعنی وہ آدمی جو کام کے وقت بہانہ بنا کر غائب ہو جائے لیکن کھانے کے وقت دسترخوان پر آدھمکے۔

(۱۰) کاٹھ کی ہانڈی کب تک چولھے پر چڑھی رہے گی : جھوٹی اور غلط بات بہت دنوں تک نہیں چلتی ہے اور آخر کار اُس ڈھول کا پول کھل جاتا ہے، گویا جھوٹی بات لکڑی کی ہانڈی کی طرح ہے جو آگ پر زیادہ دیر تک نہیں چڑھی رہ سکتی۔

(۱۱) کاغذ کے گھوڑے دوڑاتے ہیں : یعنی محض کاغذی کارروائی کرتے ہیں، عملی طور پر کوئی کام نہیں کرتے۔

(۱۲) کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی : یعنی کوئی بے بنیاد اور فضول بات کس طرح قبول کی جاسکتی ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ کاغذ کی ناؤ کی طرح خود ہی ڈوب جائے گی اور لوگوں کو سب حالات معلوم ہو جائیں گے۔ جب کوئی شخص بے بنیاد اور فضول باتیں کرے یا دھوکہ اور فریب سے کام نکالنا چاہے تو تنبیہہ کی خاطر یہ کہاوت کہتے ہیں۔

(۱۳) کابل میں کیا گدھے نہیں ہوتے : یعنی دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کم عقل لوگ موجود نہ ہوں۔ نہ عقل پر کسی کا اجارہ ہے اور نہ بے عقلی پر۔ ہر طرح کا انسان ہر جگہ مل جاتا ہے۔

(۱۴) کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا : عوام میں (غلط) مشہور ہے کہ اگر گھر میں چراغ جل رہا ہو اور ناگ سانپ آجائے تو وہ پھونک مار کر چراغ کو بجھادیتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ظالم شخص کو ذرا سی نیکی بھی نہیں بھاتی۔

(۱۵) کان کھڑے ہو گئے : خطرہ کا احساس ہوتے ہی جانوروں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ وہ چھوٹی سی آواز بھی سُن سکیں۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ ہوشیار ہو گئے اور ساری توجہ ایک جانب مرکوز ہو گئی۔

(۱۶) کان کے کچے ہیں : یعنی بغیر دیکھے بھالے ہر ایک کی بات کا اعتبار کر لیتے ہیں۔

(۱۷) کالے کا کاٹا پانی نہیں مانگتا : کالا یعنی ناگ۔ عوام کا (غلط) خیال ہے کہ ناگ کا کاٹا ہوا آدمی اتنی جلد مر جاتا ہے کہ اس کو پانی مانگنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے شخص کو مرنے میں کافی وقت لگتا ہے اور اگر فوری طبی امداد مل جائے تو بچ بھی سکتا ہے۔ بہر حال کہاوت میں کالا ظالم اور زبردست شخص کا استعارہ ہے کہ اس کی مار سے آدمی جلد ہی برباد ہو جاتا ہے۔

(۱۸) کان میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں: لوگ کان میں تیل ڈال کر روئی کا پھایہ لگالیتے ہیں۔ اس سے اور کچھ ہو نہ ہو سنائی ضرور کم دینے لگتا ہے۔ اسی مناسبت سے یہ کہاوت ہے یعنی سننے کو تیار نہیں ہیں۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۹) کالا اچّھر بھینس برابر: اچّھر (ہندی اَکچھر) یعنی حرف۔ کہاوت ایسے آدمی کے متعلق ہے جس کے لئے لکھے ہوئے حرف اور بھینس میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی جاہل مطلق، اَن پڑھ۔

(۲۰) کاتا اور لے دوڑی : یعنی ادھر کر گھے پر کچھ کاتا اور فوراً ہی دوسروں کو دکھانے کو دوڑ پڑے۔ کوئی کام کیا جائے تو دوسروں کو دکھانے سے پہلے اُس کو اچھی طرح جانچ پرکھ لینا چاہئے۔ ''جلدی کا کام شیطان کا'' بھی اسی

معنی میں مشہور ہے۔

(۲۱) کاٹھ کا اُلّو: یعنی جاہل مطلق، بالکل احمق۔

(۲۲) کاجل کی کوٹھری: اگر کوئی ایسی کوٹھری میں جائے جو کاجل سے بھری ہو تو وہ اُس میں سے کالا منھ لے کر نکلے گا۔ چنانچہ کاجل کی کوٹھری سے مراد ایسی جگہ یا معاملہ ہے جہاں سوائے رُسوائی اور بدنامی کے اور کچھ حاصل نہ ہو۔

(۲۳) کبھی نہ دیکھا بوریا اور سپنے آئی کھاٹ: بوریا یعنی بورے کا ٹکڑا، کھاٹ یعنی چارپائی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ مفلسی کا ہی عالم رہا لیکن خواب بڑے بڑے دیکھتے ہیں۔

(۲۴) کباب میں ہڈی: اگر کباب میں ہڈی نکل آئے تو سارا مزا کرکرا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اچھے بھلے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۵) کبوتر با کبوتر، باز با باز: یعنی کبوتر، کبوتر کے ساتھ اور باز، باز کے ساتھ (پرواز کرتا ہے)۔ یہ ایک فارسی شعر کا مصرع ہے:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

(ہم جنس ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہی اُڑتے ہیں۔ کبوتر، کبوتر کے ساتھ اور باز، باز کے ساتھ)

(۲۶) کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں: کہاوت دُنیا اور انسانی زندگی کی مستقل بدلتی ہوئی کیفیت کا ذکر کر رہی ہے کہ ہمیشہ دن ایک سے نہیں رہتے۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے ؎

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

(۲۷) کبھی گاڑی ناؤ پر، کبھی ناؤ گاڑی پر: دُنیا ہمیشہ تغیر پذیر ہے۔ حالات، وقت، لوگ سبھی کچھ بدلتا رہتا ہے۔ کہاوت اسی حقیقت کی جانب اشارہ کر رہی ہے کہ کبھی بیل گاڑی کو ناؤ پر دریا پار لے جانے کے لئے چڑھانا پڑتا ہے اور کبھی ناؤ کو گاڑی پر لادنا پڑتا ہے۔ جیسی ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہو اُسی طرح کرنا چاہئے۔

(۲۸) کتّا بھی بیٹھتا ہے تو دم ہلا کر بیٹھتا ہے: کتّا جب بیٹھتا ہے تو عام طور پر دو ایک چکر لگا کر اور دُم اِدھر اُدھر ہلا کر بیٹھتا ہے جیسے وہ اپنی جگہ صاف کر رہا ہو۔ گویا جب کتے کو صفائی کا اتنا خیال ہے تو انسان کو بھی چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے جگہ صاف کر لے۔

(۲۹) کتے کی دُم بارہ سال نلکی میں رکھی تب بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی: اِنسان کی فطرت بدلی نہیں جا سکتی۔ تعلیم و تربیت سے اس میں ایک حد تک نرمی اور لچک پیدا ہو سکتی ہے لیکن اس کی اصلیت نہیں بدلتی۔ کہاوت اس کی مثال کتے کی دُم سے دیتی ہے جو ہمیشہ ٹیڑھی رہتی ہے اور برسوں سیدھی نلکی میں رکھنے کے بعد بھی ٹیڑھی ہی نکلتی ہے۔

(۳۰) کتے کو گھی نہیں پچتا : تیل کے مقابلہ میں گھی بہتر مانا جاتا ہے۔ پچنا یعنی ہضم ہونا۔ مشہور ہے کہ کتا اگر گھی پی لے تو اس کو بدہضمی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اوچھے آدمی کو اچھوں کی صحبت راس نہیں آتی ہے اور وہ اس کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

(۳۱) کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں: کچی گولیاں کھیلتے میں ٹوٹ جاتی ہیں اور اس سے کھلاڑی کی ناتجربہ کاری ظاہر ہوتی ہے۔ گویا کچی گولیاں ناتجربہ کاری اور ناعاقبت اندیشی کا استعارہ ہیں۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ ایسے ناتجربہ کار نہیں ہیں کہ فاش غلطی کریں۔

(۳۲) کچے گھڑے کی چڑھی ہے: دیسی شراب، خصوصاً تاڑی، گھڑے میں رکھی جاتی ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ نشہ میں ہیں۔

(۳۳) کچھ بسنت کی بھی خبر ہے؟ : یعنی کچھ دُنیا کی بھی خبر ہے؟ آدمی گھر میں بند رہے تو اسے بسنت کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب کوئی شخص اپنے اِرد گرد کے حالات سے بے خبر ہو۔

(۳۴) کچھ سونا کھوٹا، کچھ سنار کھوٹا : بگاڑ یا فساد صرف ایک طرف سے نہیں ہوتا ہے۔ دونوں جانب سے ہی کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے۔

(۳۵) کریلا اور نیم چڑھا: کریلا اور نیم دونوں کڑوے ہوتے ہیں۔ اگر کریلے کی بیل، نیم کے درخت پر چڑھی ہو تو اس کا کریلا نیم کی کڑواہٹ جذب کر کے (محاورہ کی حد تک ہی سہی(!مزید کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح کوئی بد دماغ اور غصہ ور شخص دوسرے بد دماغ اور غصہ ور لوگوں کی صحبت میں رہے تو وہ اپنی فطرت اور عادت میں کچھ زیادہ ہی کڑوا اور پختہ ہو جائے گا۔

(۳۶) کر سیوا، کھا میوہ : یعنی خدمت کا صلہ میٹھا ہوتا ہے۔ خدمت سے کوئی مادّی فائدہ نہ ہو تب بھی جو دلی سکون ملتا وہ بڑی نعمت ہے۔

(۳۷) کرے داڑھی والا، پکڑا جائے مونچھوں والا : یعنی غلطی تو ایک آدمی کرے اور اس کی پاداش میں پکڑا جائے کوئی اور۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۸) کرے کوئی بھرے کوئی: یہ کہاوت بھی انہیں معنی میں استعمال ہوتی ہے جس میں ’’کرے داڑھی والا، پکڑا جائے مونچھوں والا‘‘ مستعمل ہے۔

(۳۹) کس کھیت کی مولی ہے: کم حیثیت آدمی کے لئے یہ کلمہ حقارت سے بولا جاتا ہے کہ بھلا اس کی کیا حیثیت یا اوقات ہے۔

(۴۰) کس برتے پر تتّا پانی : یعنی ایسا کس بات کا غرور ہے کہ زورد کھا رہے ہیں اور خود کو بڑا ظاہر کرتے ہیں۔

(۴۱) کس نہ می پرسد کہ بھیا کون ہو : اس کہاوت کا پہلا حصہ فارسی ہے اور دوسرا اُردو۔یعنی کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی تم کون ہو؟ گویا کس مپرسی کا عالم ہے۔دنیا کی عام کیفیت ایسی ہی ہے کہ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔

(۴۲) کسی کا گھر جلے، کوئی تاپے: یعنی کسی کو کسی کا غم نہیں ہے۔دنیا کا عام حال یہ ہے کہ کسی کا گھر جلتا ہے توبجائے ہمدردی اور مدد کرنے کے لوگ اپنے ہاتھ تاپنے کی فکر کرتے ہیں۔

(۴۳) کس کی رہی ہے اور کس کی رہ جائے گی: دُنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا اور نہ ہی کبھی رہے گا۔سب کچھ آنی جانی ہے۔

(۴۴) کس مرض کی دَوا ہے؟: کسی کی نااہلیت کا ذکر مقصود ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔یعنی بیکار ہے، کسی کام کا نہیں۔

(۴۵) کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان : کوئی شخص غصہ میں مار پیٹ سے کام لیتا ہے اور کوئی صرف زبان سے برا بھلا کہہ لیتا ہے۔

(۴۶) کسی نے پیا دودھ کسی نے پیا پانی، دونوں کو ایک رین گنوانی: رَین یعنی رات۔وہ دولت مند ہو یا غریب زندگی دونوں کی بہر حال گزر ہی جاتی ہے، ایک کی اچھی اور دوسرے کی نسبتاً خراب۔

(۴۷) کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے: یعنی بڑی مشکل سے راضی کیا۔

(۴۸) ککڑی کے چور کو پھانسی نہیں دیتے : یعنی معمولی جرم پر کسی کو سخت سزا نہیں دینی چاہئے۔

(۴۹) کل کے جوگی اور کندھے پر جٹا : جوگی یعنی فقیر، جٹا یعنی وہ لمبی زلفیں جو بعض فقیر بڑھا لیتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ابھی کچھ کیا بھی نہیں لیکن اپنے کامل فن ہونے کا اعلان کر دیا جیسے کوئی فقیری لیتے ہی نمائش کے لئے جٹا رکھ لے۔اسی معنی میں جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش بھی بولتے ہیں۔

(۵۰) کلھیا میں گُڑ پھوڑتے ہیں: کلھیا یعنی مٹّی کی چھوٹی ہنڈیا۔اس کے اندر ہی اندر گڑ پھوڑا جائے تو کسی اور کو خبر نہیں ہو سکتی۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ اندر ہی اندر راز داری کی باتیں ہو رہی ہیں تاکہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔

(۵۱) کل گیا ٹل : جو کام کرنا ہو اس کو ٹالنا نہیں چاہئے۔کل پر چھوڑا ہوا کام کبھی نہیں ہوتا کیونکہ کل کبھی آتا ہی نہیں ہے۔

(۵۲) کم خرچ بالا نشین: ایسی چیز کو کہتے ہیں جو قیمت میں کم لیکن شان و شوکت اور تام جھام میں بہت اونچی ہو۔

(۵۳) کمہار سے بس نہ چلے گدھے کے کان اینٹھے: یعنی جب کسی کا کمھار پر بس نہیں چلتا تو وہ اپنا غصہ غریب گدھے کے کان اینٹھ کر اُتار تا ہے۔اسی طرح ہر شخص اپنا غصہ اپنے سے کمزور شخص پر ہی اُتار تا ہے۔یہی حقیقت ایک اور کہاوت میں یوں کہی گئی ہے کہ ''نزلہ عضوضعیف پر ہی گرتا ہے''۔

(۵۴) کمبل اوڑھے سے کوئی فقیر نہیں ہو جاتا : جس طرح صرف کمبل اوڑھ لینے سے کوئی فقیر نہیں ہو جاتا اسی طرح اپنی ظاہری صورت یا بھیس بدل لینے سے کسی شخص کی فطرت یا اصلیت نہیں بدل جاتی ہے۔اپنے آپ میں بڑی اور بنیادی تبدیلی لانے کے لئے اور بہت سی باتیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔

(۵۵) کمبل نہیں چھوڑتا: یعنی کسی طرح چھٹکارہ نہیں مل رہا ہے، جان نہیں چھوٹ رہی ہے۔اس کے پس منظر میں ایک کہانی ہے۔ایک شخص دریا کے کنارے کھڑا تھا کہ اس کے سامنے سے ایک کالا کمبل بہتا ہوا گزرا۔مفت کا کمبل حاصل کرنے کی لالچ میں وہ دریا میں کود پڑا اور چاہا کہ کمبل کو کھینچ لائے۔وہ دراصل ایک کالا ریچھ تھا جو دور سے کمبل کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ریچھ نے اُس شخص کو دبوچ لیا تو اُس نے شور مچانا شروع کیا۔ کنارے سے لوگوں نے پکار کر کہا کہ ''تو کمبل کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا ہے؟'' جواباً اس نے چلا کر کہا کہ ''بھائی میں تو کمبل کو چھوڑ دوں لیکن کمبل مجھ کو نہیں چھوڑ رہا ہے۔''

(۵۶) کنویں پر گئے اور پیاسے واپس آئے : یعنی کام کی جگہ تو گئے لیکن کام نہ بنا اور خالی ہاتھ واپس پلٹ آئے۔

(۵۷) کنویں کے پاس پیاسا ہی جاتا ہے: یعنی ضرورت مند ہی دوسروں کے پاس حاجت روی کے لئے جاتا ہے۔ دوسرے اس کے پاس اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے نہیں آتے۔

(۵۸) کنّی دبتی ہے: کمزور پڑتے ہیں، دوسروں سے دَبتے ہیں۔ کنّی دبنا پتنگ بازی کی اصطلاح ہے۔

(۵۹) کنّی کاٹ کر نکل گئے: نگاہ بچا کر بالا ہی بالا نکل گئے، سامنے نہیں آئے۔عام طور پر ایسے آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جو اپنی ذمہ داری سے جی چرا کر خاموشی سے اِدھر اُدھر ہو جائے۔ کنّی کاٹنا بھی پتنگ بازی کی اصطلاح ہے۔

(۶۰) کنواں بیچا ہے، کنویں کا پانی نہیں بیچا: اس کہاوت کے پیچھے ایک دلچسپ کہانی ہے۔ایک شخص نے دوسرے آدمی کے ہاتھ اپنا کنواں فروخت کر دیا۔جب وہ آدمی کنویں سے پانی کھینچنے آیا تو اُس شخص نے اُس کو یہ کہہ کر روک دیا کہ ''میں نے کنواں بیچا ہے، کنویں کا پانی تو نہیں بیچا''۔ جھگڑا بڑھا تو کنویں کا خریدار قاضیٔ شہر کے پاس فریاد لے کر گیا۔ قاضی نے مقدمہ کی رُوداد سُن کر کہا کہ ''کنویں کا سابق مالک بات تو صحیح کہہ رہا ہے۔اس نے واقعی کنویں کا پانی نہیں بیچا۔چنانچہ اس کو عدالت کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دو دن کے اندر کنویں میں سے اپنا پانی نکال لے ورنہ دوسرے کے کنویں میں اپنا پانی رکھنے کا کرایہ دینا ہو گا۔'' یہ سُن کر کنویں کے سابق مالک کے ہوش

اُڑ گئے اور اُس نے اُسی وقت ہاتھ جوڑ کر عدالت اور کنویں کے مالک سے معافی مانگی، کنواں مع پانی کے اس کے سپرد کیا اور اس طرح گلو خلاصی حاصل کی۔ کہاوت ایسی ہی فضول دلیل کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۶۱) کند ہم جنس با ہم جنس پرواز : یہ کہاوت ایک شعر کا پہلا مصرع ہے۔اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۶۲) کنجوس مکھی چوس : یعنی ایسا کنجوس کہ دودھ میں اگر مکھی گر جائے تو اس کو پھینکنے سے پہلے چوس لیتا ہے۔ کہاوت میں حقارت اور نفرت کا عنصر غالب ہے۔

(۶۳) کنویں سے نکلے، باولی میں گرے: باولی یعنی وہ بڑا کنواں جس میں پانی تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں۔ کوئی ایک مصیبت سے بمشکل بچے اور فوراً ہی اس سے بڑی مصیبت میں جا پھنسے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔درج ذیل شعر بھی یہی مطلب ادا کرتا ہے:

ایک مشکل سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا　　　اور یہ پڑ گئی کیسی مرے اللہ نئی

(۶۴) کنواری کو ارمان، بیاہی پشیمان : یعنی کنواری لڑکی کو تو شادی کا بہت ارمان ہوتا ہے لیکن شادی شدہ لڑکی سوچتی ہے کہ کس مصیبت میں پھنس گئی۔ گویا جب تک کسی صورت حال کا سامنا نہ ہو اُس وقت تک اس کے مسائل اور مشکلات کا علم نہیں ہوتا۔

(۶۵) کوئلے کی دلالی میں ہاتھ بھی کالے، منھ بھی کالا: آدمی کے پیشے کے نشانات واثرات اس کی شخصیت اور اطوار میں دَر آتے ہیں۔اس کی مثال کوئلوں کی دلالی سے دی جا سکتی ہے کہ اس کام میں ہاتھ اور منھ دونوں کالے ہوتے ہیں۔ گویا آدمی کو کام دیکھ بھال کر اختیار کرنا چاہئے۔

(۶۶) کوڑی کے تین تین: پہلے زمانے میں کوڑی بھی چھوٹے سکے کی طرح بازار میں چلتی تھی۔ایک پیسے میں پانچ کوڑی ہوتی تھیں چنانچہ کوئی چیز اگر ایک کوڑی میں تین ممکنا تو وہ بہت کم قیمت ہوئیں۔لہٰذا انتہائی بے حیثیت چیز یا شخص کے لئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔اس میں تحقیر و تضحیک دونوں کا پہلو ہے۔

(۶۷) کوڑیوں کے مول بک گئی : پہلے زمانے میں کوڑی بھی چھوٹے سکے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ایک پیسہ میں پانچ کوڑیاں ہوتی تھیں گویا قیمت میں نہایت کم۔چنانچہ کہاوت کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی چیز نہایت سستی بک گئی۔

(۶۸) کوئی کسی کی قبر میں نہیں جاتا : ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی جواب دہ ہوتا ہے۔لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قبر میں مرحوم سے سوال وجواب کے لئے دو فرشتے منکر و نکیر آتے ہیں۔ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ سوالوں کا جواب تو مرحوم کو خود ہی دینا ہوگا کیونکہ اس کی قبر میں اور کسی کا گزر نہیں۔

(۶۹) کولھو کا بیل ہونا : کولھو مختلف قسم کے بیجوں سے تیل نکالنے والی دیسی مشین کا نام ہے۔اس میں لگے ہوئے

موسل کو ایک بیل مستقل کولھو کے اِرد گرد گھماتا رہتا ہے۔ بیل کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے تا کہ چکرا کے گر نہ جائے۔ چنانچہ کولھو کا بیل نہ صرف دیکھنے سے معذور ہوتا ہے بلکہ ایک بندھے ٹکے چکر میں کولھو کے اِرد گرد گھومنے پر بھی مجبور ہوتا ہے۔ اسی پس منظر میں کولھو کا بیل ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے ایک ہی کام کئے چلا جاتا ہے جس کے مقصد سے بھی وہ واقف نہیں ہے ۔

(۷۰) کولھو میں پیلو تو نو من پکا تیل نکلے : کولھو کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں بیجوں کو پیل کر (دَبا کر) تیل نکالا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بہت مالدار ہو لیکن اپنی حیثیت کو جان بوجھ کر کم بتائے تو اس کے بارے میں یہ کہاوت بولی جاتی ہے کہ یہ وہ نہیں ہے جو ظاہر کر رہا ہے بلکہ یہ تو بڑی حیثیت کا ہے۔ پکے تیل سے مراد اچھا اور صاف تیل ہے۔

(۷۱) کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا : ہنس خوبصورت پرندہ ہوتا ہے اور اس کی چال بھی بڑی بانکی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کوّے کی چال بے ڈھنگی ہوتی ہے۔ کوئی شخص اچھوں کی نقل میں وہ کرنا چاہے جس کا وہ اہل نہیں ہے تو اپنی شخصیت یا تو کھو بیٹھے گا یا وہ مضحکہ خیز اور مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ یہ کہاوت اسی حقیقت کو ایسے کوے سے تعبیر کرتی ہے جو ہنس بننے کے شوق میں اُس کی چال چلنے کی کوشش کرے اور اپنی فطری چال بھی بھول جائے۔

(۷۲) کوّے کا بچہ کوّے کو پیارا ہوتا ہے: کوّے کا بچہ اُسی کی طرح کالا اور بدشکل ہوتا ہے لیکن وہ کوے کو عزیز ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنی چیز ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

(۷۳) کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے : برا کام کیا جائے تو اس کا انجام بھی بدنامی یا سزا کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے۔

(۷۴) کہیں کھیت کی، سنے کھلیان کی : یعنی بات کچھ ہو رہی ہے اور مخاطب سمجھ کچھ اور رَہا ہے۔ کھلیان وہ جگہ ہے جہاں فصل کاٹ کر اکٹھی کی جاتی ہے۔

(۷۵) کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی : راجہ بھوج سے مراد صاحب حیثیت شخص ہے جب کہ گنگو تیلی کم حیثیت آدمی کا استعارہ ہے۔ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب دو ایسے آدمیوں کا موازنہ کیا جا رہا ہو جو دولت و حیثیت میں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

(۷۶) کھوٹا بیٹا، کھوٹا پیسا کام آ ہی جاتا ہے : اپنی چیز خواہ وہ خراب اور عیب دار ہی کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی کام دے ہی جاتی ہے۔

(۷۷) کھیر کھاتے دانت ٹوٹا : یعنی اتنے نازک مزاج ہیں کہ ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں ہے جیسے کھیر کھاتے میں کسی کا دانت ٹوٹ جائے۔

(۷۸) کھسیانی بلی کھمبا نوچے: کسی کی خواہش پوری نہ ہو تو اس کی الجھن کا اظہار اکثر بے تکی باتوں سے ہوتا ہے۔یہ وہی صورت ہے کہ بلی کھسیا کر کھمبا نوچنے لگتی ہے حالانکہ ایسا کرنے سے اس کو کچھ نہیں ملتا۔

(۷۹) کھلائے کو کوئی نہیں دیکھتا، رُلائے کو دُنیا دیکھتی ہے: اگر کوئی شخص غریب پروری کرے تو شاید ہی کوئی اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھے گا لیکن اگر وہ کسی کو دُکھ پہنچائے تو سب اسے بری نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔یہ کہاوت بچہ کی پرورش پر بھی صادق آتی ہے کہ بچے کا اچھے سے اچھا کھلائیں پلائیں تو دنیا بے خبر رہتی ہے لیکن ایک بار وہ کسی بات پر رو دے تو ساری نگاہیں اس کی جانب اٹھ جاتی ہیں۔اسی پر اور صورتیں قیاس کی جاسکتی ہیں۔

(۸۰) کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا: بے جوڑ اور بے محل باتیں بنا کر خواہ مخواہ اپنی بات کی تاویل نکالی جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔بھان متی ایک فرضی کردار ہے جو کہاوت کو پر لطف بنانے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔

(۸۱) کہنے سے کمہار کبھی گدھے پر نہیں سوار ہوتا: کمہار اپنا مال عموماً گدھے پر لاد کر بازار لے جاتا ہے۔واپسی پر اگر اس سے گدھے کی خالی پیٹھ پر بیٹھنے کو کہا جائے تو وہ آنا کانی کرتا ہے۔البتہ اپنی مرضی سے بیٹھنے میں اس کو کوئی عذر نہیں ہوتا۔یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب کسی سے ایسا کام کرنے کو کہا جائے جو فی الواقعہ اس کے لئے مخصوص اور آسان ہو لیکن وہ اس سے انکار کردے۔

(۸۲) کھائے بکری کی طرح، سوکھے لکڑی کی طرح: بکری ہر وقت کھاتی رہتی ہے۔کوئی شخص مستقل کھائے لیکن دُبلا ہی رہے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۸۳) کھایئے من بھاتا، پہنئے جگ بھاتا: کوئی جو چاہے کھائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن کپڑا اگر دُنیا کی پسند کا پہنے تو لوگوں کی نظر میں فوراً آجاتا ہے۔

(۸۴) کھچڑی پک رہی ہے: یعنی آپس میں چپکے چپکے مشورے ہو رہے ہیں۔چپکے چپکے رائے زنی کو بھی کھچڑی پکانا کہتے ہیں۔

(۸۵) کھودا پہاڑ نکلا چوہا: یعنی شور و شغب تو اتنا تھا لیکن دیکھا تو معمولی سی بات نکلی، جیسے پہاڑ کسی بڑی اُمید پر کھودا جائے اور اس میں سے چوہا برآمد ہو۔اسی معنی میں یہ شعر بھی استعمال ہوتا ہے:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

(۸۶) کھچڑی کھاتے پہنچا اُترا: پُہنچا یعنی کلائی۔یہ کہاوت انتہائی نازک مزاجی کا مذاق اُڑا رہی ہے کہ نزاکت تو دیکھئے کہ کھچڑی کھاتے میں نوالہ اٹھایا تو کلائی میں موچ آگئی۔محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۸۷) کھائیں تو جی سے، نہیں جائیں جی سے: یہ کہاوت ایسے شخص کی بابت کہی جاتی ہے جو یہ ضد کرے کہ اگر کوئی کام کرنا ہے تو اچھا کرے گا ورنہ بھو کا ہی رہنا منظور ہے۔

(۸۸) کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ: پدّی ایک آؤنس بھر کا نہایت چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں گوشت ہی کتنا ہو گا اور اس کا شوربہ کتنا بنے گا۔ لہٰذا اگر کوئی بہت کمزور آدمی اپنا زور دکھانا چاہے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔ اس میں تحقیر و تضحیک کا پہلو ہے۔

(۸۹) کے آمدی وَ کے پیر شُدی: یعنی ابھی تمھیں آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ پیر و مرشد بن بیٹھے؟ یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے کہی جاتی ہے جو آتے ہی خود کو مالک و مختار سمجھنے لگے۔ اسی مطلب کے لئے ''جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ہے'' بھی کہتے ہیں۔

(۹۰) کیل کانٹے سے درست: یعنی ہر طرح سے آمادہ اور تیار۔

---

(۲۷) گ۔ کی کہاوتیں:

(۱) گاڑھی چھنتی ہے: یعنی بڑے اچھے تعلقات ہیں، خوب نبھتی ہے۔ بظاہر اس کہاوت کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ بھنگڑ دوست جب بھانگ پیس کر چھانتے ہیں تو ایک دوسرے کے لئے گاڑھی چھانتے ہیں جس میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) گائے کو اپنے سینگ بھاری نہیں ہوتے: جس طرح گائے کو اپنے سینگوں کا بوجھ نہیں محسوس ہوتا اسی طرح ماں باپ کو اپنی اولاد کا پالنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔

(۳) گائے نہ بچھی نیند آئے اچھی: جس شخص کے پاس کوئی ذمہ داری نہ ہو وہ آرام اور بے فکری سے سوتا ہے۔ کہاوت اس کی مثال ایسے شخص سے دیتی ہے جس کے پاس نہ گائے ہے اور نہ گائے کا بچہ گویا ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد ہے۔

(۴) گدھے کو نمک دیا تو اُس نے کہا میری آنکھیں دُکھتی ہیں: نادان آدمی سے کوئی کام کی بات کی جائے اور وہ بے تکی باتیں بنائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۵) گدھے ہل چلائیں تو بیل کون خریدے گا: یعنی اگر اوچھے اور کم تر آدمیوں سے کام چل جایا کرے تو

شریف اور اچھے آدمیوں کو کون پوچھے گا۔

(۶) گدھے پر کتابیں لاد دیں: یعنی نالائق اور کم علم آدمی سے علم و عقل کی باتیں کیں جو اُس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

(۷) گدھا دھونے سے بچھیرا نہیں ہو جاتا: گدھے کو کتنا ہی دھوئیں وہ کسی طرح بچھیرا (گائے کا چھوٹا بچہ) نہیں ہو سکتا۔ یہی حال بد خصلت آدمی کا ہے کہ اس کو کسی طرح بھی سنوارنے کی کوشش کی جائے وہ سیدھا نہیں ہوتا۔

(۸) گدھا گھوڑا ایک بھاؤ: جب اچھے برے میں تمیز اٹھ جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ یہاں گدھا خراب چیز یا کام کا اور گھوڑا اچھی چیز یا کام کا استعارہ ہے۔ اسی معنی میں ایک اور کہاوت ہے کہ سب دھان بائیس پسیری۔ یعنی ہر قسم کا دھان ایک روپے کا بائیس پسیری بک رہا ہے (پسیری یعنی پانچ سیر یا ڈھائی کلو گرام)۔

(۹) گدھا گیا سو گیا، ساتھ رسّی بھی لے گیا: یعنی کام بھی نہیں ہوا، اوپر سے نقصان الگ ہو گیا۔

(۱۰) گدھا گھوڑا برابر: یعنی اچھا برا سب برابر۔ اسی معنی میں ''سب دھان بائیس پنسیری'' بھی کہتے ہیں۔

(۱۱) گدڑی کا لال: مفلس کا ہونہار اور خوش شکل بچہ۔

(۱۲) گدھا کیا جانے زعفران کی قدر: نااہل آدمی کو اچھے کام کی قدر نہیں ہوتی جیسے گدھا زعفران کی قدر و قیمت سے ناواقف ہوتا ہے۔

(۱۳) گذر گئی گذران، کیا جھونپڑی کیا میدان: گذران یعنی زندگی یا وقت۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے، چاہے وہ کسی جھونپڑی میں کٹے یا کسی میدان میں آسمان تلے۔ شیخ ابراہیم ذوقؔ کا ایک شعر یہی مطلب یوں ادا کرتا ہے:

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات ہنس کر گذار یا اُسے رو کر گذار دے

(۱۴) گرو تو گڑ رہ گئے اور چیلا شکر ہو گیا: گرو یعنی استاد، چیلا یعنی شاگرد۔ اگر شاگرد اپنی محنت و اہلیت کی بنا پر اُستاد سے بازی لے جائے تو گویا وہ تو شکر ہو گیا جب کہ اس کا استاد گڑ کا گڑ ہی رہ گیا۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۵) گڑ ہو گا تو مکھیاں بہت: یعنی دولت ہو گی تو آگے پیچھے پھرنے والوں کی کمی نہیں۔

(۱۶) گُڑ سے مرے تو زہر کیوں دیں؟: اگر کوئی کام میٹھی اور نرم بات کہنے سے ہو سکتا ہے تو سخت کلامی یا گھٹیا طریقے استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ اگر دشمن گُڑ دینے سے مر سکتا ہے تو اس کو زہر دینے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

(۱۷) گڑ کہنے سے منھ میٹھا نہیں ہوتا : کام کرنے سے ہی ہوتا ہے، محض باتوں سے نہیں ہوتا۔اس کی مثال ایسا شخص ہے جو منھ سے گُڑ، گُڑ کہتا رہے، کام کچھ نہ کرے اور یہ اُمید رکھے کہ ایسا کرنے سے اس کا منھ میٹھا ہو جائے گا۔

(۱۸) گڑے مُردے اُکھاڑنا : گڑے مردے یعنی بھولی بسری پُرانی باتیں اور الزامات۔ایسی باتوں کو بار بار دہرانا اور یاد دِلا کر جھگڑے کی بنیاد بنانا دانشمندی نہیں ہے۔

(۱۹) گُڑ کھائیں، گلگلوں سے پرہیز: گلگلے گڑ سے بنائے جاتے ہیں۔اگر اصل اور بڑی چیز شوق سے اختیار کرلی جائے لیکن اس سے نکلی ہوئی چھوٹی اور کمتر چیزوں سے پرہیز کیا جائے تو یہ بچکانہ بات ہو گی۔ایسے ہی موقع پر یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۲۰) گُڑ نہ دے، گُڑ کی سی بات تو کہہ دے : یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب کوئی شخص ناگوار لب ولہجہ میں اپنی بات کہے جبکہ وہ اُسے نرمی سے بھی دوسروں کی دل آزاری کئے بغیر کہہ سکتا ہے۔ کہاوت کا مطلب یہی ہے کہ اگر اچھا کام نہیں کرسکتے ہو تو نہ سہی، کم سے کم اچھی بات تو کہہ دو۔

(۲۱) گندم اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است: یعنی اگر گیہوں میسر نہ ہو تو جَو کو غنیمت سمجھنا چاہئے گویا اگر انسان کی خواہش سے کمتر چیز بھی مل جائے تو اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرکے اسے قبول کرلینا چاہئے۔ کبھی کبھی جَو کے بجائے بُھس بھی کہتے ہیں۔

(۲۲) گناہ بے لذت : ہر گناہ میں کوئی نہ کوئی لذت ہوتی ہے۔ایسا گناہ جس میں کوئی مزہ ہی نہ ہو گناہ بے لذت کہلاتا ہے گویا اُس کو کرنے سے کیا فائدہ؟

(۲۳) گنبد کی آواز ہے: کسی گنبد کے نیچے کھڑے ہو کر دی ہوئی آواز باز گشت (گونج) کی صورت میں واپس سنائی دیتی ہے۔اسی کو گنبد کی آواز کہتے ہیں، یعنی جیسا کہوگے ویسا ہی سنوگے۔

(۲۴) گنگا نہائے ہوئے ہیں: یعنی خود کو بہت نیک اور پارسا ظاہر کر رہے ہیں جیسے ابھی ابھی گنگا نہا کر آئے ہیں۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق گنگا میں نہانے سے تمام گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان پاک ہو جاتا ہے۔

(۲۵) گنڈے دار ہونا : برصغیر ہندوپاک میں کم تعلیم یافتہ طبقہ بیماری یا مصیبت سے بچنے کے لئے آج بھی تعویز اور گنڈوں پر یقین رکھتا ہے۔ گنڈہ ایک موٹا دھاگا ہوتا ہے جس میں کوئی مولوی یا پنڈت آیات یا اشلوک پڑھ کر تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے گرہ لگا دیتا ہے۔ گنڈہ بچہ کی گردن میں بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے باندھ دیا جاتا ہے۔ چونکہ گنڈہ میں گانٹھیں ہوتی ہیں اس لئے اگر کوئی کام مسلسل نہ کیا جائے تو اس کو گنڈہ دار کہتے ہیں یعنی رُک رُک کر۔

(۲۶) گونگے کا گڑ، کھٹا نہ میٹھا: گونگا شخص اگر گڑ کھائے تو وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کا مزا کیسا تھا۔اسی طرح نادان اور کم عقل سے عقل و دانش کی بات کرنا فضول ہے کیونکہ وہ ان کا فرق نہ سمجھتا ہے اور نہ ہی بتا سکتا ہے۔

(۲۷) گونگے کا خواب: ایسی بات جو کوئی بیان نہ کر سکے۔ گونگا اپنے خواب بتا نہیں سکتا۔

(۲۸) گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے ہے : گھاٹ گھاٹ کا پانی یعنی طرح طرح کے تجربے۔ جو شخص بہت تجربہ کار ہو اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''فلاں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے ہے''۔

(۲۹) گھی بنائے سالنا، بڑی بہو کا نام: کام کوئی کرے اور نام کسی اور کا ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے گویا یہ ایسی ہی بات ہے کہ سالن میں مزا تو دراصل گھی کی بدولت آیا لیکن نام بڑی بہو کا ہوا کہ کیا ہی اچھا کھانا بناتی ہے۔

(۳۰) گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے : ہندوؤں کی مقدس کتاب رامائنؔ کے مطابق رام چندؔر جی کی بیوی سیتاؔ کو لنکا کا راجا راونؔ اغوا کر کے لے گیا تھا۔اس کی تلاش میں رامؔ کے ایک سیوک ہنومان جیؔ بھیجے گئے تھے جن کی شکل بندر کی سی تھی۔ان کو بھی راونؔ نے پکڑ لیا تھا اور سزا کے طور پر ان کی دُم میں تیل سے بھیگا ہوا کپڑا لپیٹ کر اُس میں آگ لگا دی تھی۔ہنومانؔ نے اسی جلتی ہوئی دُم سے لنکا میں جا بجا آگ لگا کر تباہی کا سامان پیدا کر دیا تھا۔اسی حوالے سے یہ کہاوت ہے کہ اگر اندرون خانہ راز کسی گھر والے کو معلوم ہوں تو وہ بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ راز کی بات راز ہی رہنی چاہئے کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

(۳۱) گھر کے پیروں کو تیل کا ملیدہ : اچھا ملیدہ اچھے گھی سے بنایا جاتا ہے اور تیل کا بنایا ہوا ملیدہ گھٹیا مانا جاتا ہے۔ گھر کے بزرگوں کو تیل کا ملیدہ کھلانا ان کی بے عزتی کرنے کے برابر ہے۔مطلب یہ ہے کہ اپنوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک ہونا چاہئے۔

(۳۲) گھاس پھوس کے ڈھیر میں سوئی ڈھونڈنا: گھاس پھوس کے انبار میں کھوئی ہوئی سوئی تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔اسی طرح خرافات و مکروہات کی فراوانی میں اگر ایک چھوٹی سی اچھائی بھی ہو تو اس کو ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں ہے۔

(۳۳) گھوڑا گھاس سے آشنائی کرے گا تو کھائے گا کیا : اگر کوئی شخص پیسے کا اتنا عاشق ہو کہ اس کو خرچ کرنے سے انکاری ہو جائے تو اس کے سارے کام رک جائیں گے اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے گھوڑا گھاس سے ایسی محبت کرے کہ اسے کھانے پر ہی راضی نہ ہو۔ظاہر ہے کہ وہ جلد ہی فاقوں سے مر جائے گا۔یعنی اپنی گزر بسر کے لئے محنت اور خرچ تو کرنا ہی ہو گا۔ کہاوت کا محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۴) گھٹا ٹوپ اندھیرا : بہت گہرا اندھیرا، مکمل تاریکی جو گہرے بادلوں کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔

(۳۵) گھر پھونک تماشا دیکھے : ایسے احمق کے متعلق کہا جاتا ہے جو اپنا ہی گھر جلا کر تماشہ دیکھنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

(۳۶) گھر کی مُرغی دال برابر : مرغی کا گوشت پکنا امارت اور شان کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف دال ہے کہ غریب آدمی کی گذر بسر اسی پر ہوتی ہے۔ کسی کے گھر میں مرغیاں پلی ہوئی ہوں تو اس کے لئے مرغی دال کے برابر ہوتی ہے کہ جب جی چاہا پکڑ کر ذبح کی اور پکالی۔ گویا اگر کسی کو کوئی اچھی چیز ہمیشہً میسر ہو تو اس کی وقعت زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

(۳۷) گھوڑے بیچ کر سونا : اگر کوئی شخص گھوڑے فروخت کرنے کے لئے بازار لے جائے تو رات میں اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ ساری رات اس فکر میں گذرتی ہے کہ کوئی گھوڑا رسی تڑا کر نہ بھاگ جائے یا چوری نہ ہو جائے۔ لیکن اگر رات سے پہلے اس کے سب گھوڑے بِک جائیں تو وہ نہایت اطمینان سے سو سکتا ہے۔ گویا کہاوت کے معنی بے فکری کی نیند سونا ہیں۔

(۳۸) گھی کے چراغ جلائے گئے: چراغوں میں عام طور سے تیل جلایا جاتا ہے۔ تیل کی بنسبت گھی مہنگا ہوتا ہے چنانچہ چراغوں میں گھی جلانا بڑی بات ہو گی۔ کہاوت کا مطلب ہے کہ بہت خوشی منائی گئی۔

(۳۹) گھر سکھ تو باہر سکھ: اگر آدمی کے گھر میں سکون و اطمینان ہو تو وہ باہر بھی خوش رہتا ہے۔ اگر گھریلو زندگی ہی تکلیف دہ ہے تو اس کو کہیں چین نصیب نہیں ہو سکتا۔

(۴۰) گھر کی آدھی، نہ باہر کی ساری: اپنے گھر کی تھوڑی کمائی باہر کی زیادہ سے بہتر ہوتی ہے۔

(۴۱) گھر کی جورو کی چوکسی کہاں تک: جورو یعنی بیوی یا مالکن، چوکسی یعنی چوکیداری۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گھر والے ہی چوری کرنے لگیں تو ان کی نگہبانی اور چوکیداری کرنا بہت مشکل کام ہے۔

(۴۲) گھر کی کھانڈ کر کری، چوری کا گُڑ میٹھا: کھانڈ یعنی کچی شکر۔ اپنے گھر کی شکر دانتوں میں کرکل کی طرح لگتی ہے لیکن چوری کا گڑ بہت میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مفت کا مال اور وہ بھی بے ایمانی سے حاصل کیا ہوا زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔

(۴۳) گھر میں نہیں دانے، بُڑھیا چلی بھنانے: پرانے زمانے میں چنے، مونگ پھلی وغیرہ بھوننے کے لئے بازار میں ایک تندور ہوتا تھا جس کو بھاڑ کہتے تھے۔ چند پیسے لے کر بھڑ بھونجا (بھاڑ کا مالک) چنے وغیرہ بھون دیا کرتا تھا۔ کہاوت میں ایک بڑھیا کی مثال دی گئی ہے جس کے پاس بھنانے کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی بھڑ بھونجے کی دوکان پر پہنچ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ جب بغیر پوری تیاری کے کوئی کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جائے تو

یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۴۴) گئے تھے نماز بخشوانے، روزے گلے پڑ گئے: کوئی رعایت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور رعایت کے بجائے ایک نئے کام کی ذمہ داری سر تھوپ دی جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۴۵) گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں: جو وقت ہاتھ سے نکل جائے وہ لوٹ کر دوبارہ نہیں آتا اس لئے وقت کی قدر کرنا چاہئے۔

(۴۶) گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی جانب بھاگتا ہے: جب انسان پر برا وقت آتا ہے تو وہ کام کرتا ہے جو نہیں کرنا چاہئے جیسے گیدڑ کا برا وقت آتا ہے تو وہ بستی کا رخ کرتا ہے جہاں اس کا مارا جانا یقینی ہوتا ہے۔

"(۴۷) گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے: گیدڑ بزدلی کا استعارہ ہے اور شیر بہادری کا۔ باغیرت انسان اگر ایک دن شیر کی سی زندگی گذار لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ گیدڑ کی طرح سو سال زندہ رہے کیونکہ ایک میں نیک نامی، عزت اور ناموری ہے اور دوسرے میں بدنامی، بے غیرتی اور کم سوادی۔

(۴۸) گیلے سوکھے دونوں جلتے ہیں: آگ لگتی ہے تو لکڑی خواہ وہ گیلی ہے خواہ سوکھی جلد یا بدیر جل جاتی ہے۔ اسی طرح مصیبت یہ نہیں دیکھتی کہ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا۔ سب ہی اس کا شکار ہوتے ہیں۔

(۴۹) گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے: گُھن یعنی گیہوں کا کیڑا۔ گیہوں پیسا جائے تو اس کے ساتھ گُھن بھی ضرور پسے گا۔ یہی حال زندگی اور دُنیا کا ہے کہ ان کی آزمائشوں اور مصیبتوں میں بڑے چھوٹے سب مارے جاتے ہیں۔

----

(۲۸) ل۔ کی کہاوتیں:

(۱) لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے: ایسا بد خصلت آدمی جو کسی کی بات نہ مانے اور صرف جسمانی زد و کوب سے ہی سیدھا ہو سکے لاتوں کا بھوت کہلاتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۲) لاٹھی ٹوٹے نہ باسن پھوٹے: باسن یعنی برتن۔ یعنی کام بھی بخیر و خوبی ہو جائے اور کوئی نقصان بھی نہ ہو۔ اسی مطلب کو ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔

(۳) لالچ بری بلا ہے : لالچ انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۴) لاد دے، لدادے، لادنے والا ساتھ دے: یعنی سارا کام کوئی اور پورا کر دے۔ سامان بھی وہ لاد دے، لادنے میں مدد بھی وہ کرے اور چلتے چلتے ایک لادنے والا بھی ساتھ کر دے۔ یہ کہاوت تب بولی جاتی ہے جب کوئی شخص خود کچھ نہ کرے اور یہ اُمید رکھے کہ دوسرے اس کا سارا کام کر دیں گے۔

(۵) لاکھوں میں ایک : منفرد، ممتاز، بے مثال۔

(۶) لاکھ بات کی ایک بات: یعنی بہت بڑی بات، اہم بات، انہونی بات۔

(۷) لاٹھی مارے پانی نہیں ٹوٹتا : پانی میں کتنی ہی لاٹھی ماری جائے وہ جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ اسی طرح اگر رشتہ اچھی بنیادوں پر قائم ہو تو دُنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی ہے۔ کہاوت ایسے ہی مضبوط رشتوں کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۸) لاکھ کا ہاتھی لٹ کر بھی سوا لاکھ کا: امیر آدمی کتنا ہی غریب ہو جائے پھر بھی دُنیا میں اس کی ساکھ اور عزت رہتی ہے۔

(۹) لُٹیا ڈوب جانا : لٹیا یعنی چھوٹا لوٹا۔ اگر کنویں سے پانی نکالتے وقت لٹیا ہی ڈوب جائے تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ اس حوالے سے لٹیا ڈوب جانے کا مطلب سب کچھ ملیامیٹ ہو جانا ہے۔

(۱۰) لٹو ہو گئے: عاشق ہو گئے، بری طرح دل آ گیا۔ لٹو کے چکر کی مناسبت سے عشق کو بھی دماغ کا خلل کہا جاتا ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل   کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

(۱۱) لڑکوں کا کھیل نہیں ہے: کوئی آسان کام نہیں ہے، بہت دقت طلب بات ہے۔

(۱۲) لڑتوں کے پیچھے، بھاگتوں کے آگے: یعنی بزدل آدمی جو جنگ میں سب سے پیچھے اور بھگدڑ میں سب سے آگے ہوتا ہے۔

(۱۳) لڑائی میں لڈو نہیں بٹتے: لڑائی میں مار پیٹ اور چوٹ چپیٹ ہونا لازمی ہے۔ اس لئے اس کی شکایت ہی کیا۔ لڑائی میں لڈو تو بٹنے سے رَہے۔

(۱۴) لکیر کا فقیر ہونا : ایسا فقیر جس نے خیرات مانگنے کی ایک مستقل جگہ یا ریت بنالی ہو لکیر کا فقیر کہلاتا ہے۔ لکیر کا فقیر ہونا یعنی فرسودہ روایات یا رسوم کا بے سوچے سمجھے پابند ہونا۔

(۱۵) لکھے عیسیٰ پڑھے موسیٰ : بدخط آدمی کو کہتے ہیں جس کا لکھا ہوا کوئی نہ پڑھ سکے۔

(۱۶) لکھے موسیٰ پڑھے خدا : بدخط آدمی کے لئے یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔اسی معنی میں ''لکھیں عیسیٰ، پڑھیں موسیٰ''، بھی مستعمل ہے۔

(۱۷) لگ گیا تو تیر نہیں تو تُکا : اگر کام چل گیا تو نام ہو جائے گا اور نہ بھی چلا تو کم سے کم کوشش تو کی۔تُکا ایسے تیر کو کہتے ہیں جو بغیر نشانہ لئے یوں ہی مار دیا جائے۔اس کا نشانہ پر بیٹھنا بالکل اتفاقی ہوتا ہے۔

(۱۸) لنکا میں سب باون گز کے: ہندوؤں کی متبرک کتاب رامائن میں لنکا کا ذکر ہے جہاں کا بادشاہ راون تھا اور وہاں کے رہنے والے دیو نما لوگ تھے۔ باون گز کا یعنی بہت لمبا تڑنگا۔یعنی لنکا میں جس کو دیکھا دیووں کی طرح لمبا تڑنگا تھا۔ کسی جگہ سب ہی لوگ عجیب وغریب عادات وخیالات کے مل جائیں اور سیدھے سادے لوگوں کا وہاں گزر نہ ہو تو یہ کہاوت کہتے ہیں۔

(۱۹) لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے ہیں: لنگوٹی مفلسی اور تہی دامنی کا استعارہ ہے۔یعنی غربت کے عالم میں بھی فضول خرچی سے باز نہیں آتے۔

(۲۰) لوہے کے چنے چبانا : یعنی بے حد مشکل کام کرنا، بڑی مشکلوں سے گزرنا۔

(۲۱) لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے : بہادر آدمی کو دوسرا بہادر آدمی ہی شکست دے سکتا ہے۔

(۲۲) لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے : یعنی برائے نام کام کر کے نیک ناموں اور بہادروں میں شامل ہو گئے۔ اسی مطلب کو انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔

(۲۳) لیلیٰ را با چشمِ مجنوں باید دید: یعنی لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے۔ کہتے ہیں کہ لیلیٰ سیاہ فام تھی لیکن مجنوں کا دل اُسی پر آیا ہوا تھا۔ضروری نہیں کہ جو چیز کسی کو پسند ہو وہ ساری دُنیا کو بھی پسند ہو۔ہر ایک کی پسند الگ الگ ہوتی ہے۔

(۲۴) لینا ایک نہ دینا دو : یعنی فضول باتیں کرنا جب کہ کام کرنے کی نیت نہ ہو۔

(۲۵) لینے کے دینے پڑ گئے : یعنی گئے تھے کچھ لیکن معاملہ الٹ گیا اور کچھ دینا ہی پڑ گیا۔ گویا فائدہ کی اُمید پر نقصان ہو گیا۔

(۲۶) لینے کو مچھلی، دینے کو کانٹا : یعنی جب کچھ لینے کا وقت ہوتا ہے تو نرم ہو جاتے ہیں لیکن جب دینے کی باری آتی ہے تو گرما جاتے ہیں اور سیدھے منھ بات نہیں کرتے۔

----

(۲۹) م۔ کی کہاوتیں:

(۱) مانگے کا اُجالا: یعنی ایسی شہرت یا ناموری جو کسی دوسرے شخص کی کوششوں کی مرہونِ منت ہو۔ جب اپنی گرہ میں کچھ نہ ہو اور دوسروں کے نام کی آڑ میں نام کمانے کی کوشش کی جائے تو ایسی ناموری مانگے کا اُجالا کہلائے گی۔

(۲) مالِ عرب پیشِ عرب: یعنی جس کا مال ہے اُس کی تحویل میں ہی رہنا چاہئے۔

(۳) مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے: مار پیٹ سے ہر شخص گھبراتا ہے یہاں تک کہ بھوت بھی بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

(۴) مارنے والے سے جِلانے والا بڑا: جِلانے والا یعنی خدا۔ کہاوت کا استعمال اس کے معنی سے ظاہر ہے۔

(۵) مان نہ مان، میں تیرا مہمان: اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں خواہ مخواہ مداخلت کرے تو یہ کہاوت کہتے ہیں۔

(۶) ماں سے زیادہ چاہے، پھاپھا کُٹنی کہلائے: پھاپھا کٹنی یعنی چالاک اور مکار عورت۔ یہ عورتوں کی زبان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے لئے اس کی ماں سے زیادہ محبت کا اظہار کرے تو یقیناً وہ جھوٹا اور مکار ہے اور اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی فکر میں ہے۔

(۷) ماں چیل باپ کوّا: یعنی بچہ ماں باپ دونوں جانب سے ناکارہ ہے۔

(۸) مایا کے ہیں تین نام، پرسو، پرسا، پرسرام: انسان مایا (دولت) کی پرستش کرتا ہے۔ کسی شخص کو دولت مل جائے تو معاشرہ میں اُس کا مقام اور حیثیت بدل جاتے ہیں۔ جو شخص پرسوؔ کے حقیر نام سے مشہور تھا اب پرساؔ کہلانے لگتا ہے اور بڑھتے بڑھتے پرسرامؔ ہو جاتا ہے۔

(۹) مارتے کے ہاتھ پکڑے جاسکتے ہیں بولتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی: کہاوت کے معنی اور محل استعمال ظاہر ہیں۔

۱۰) ماروں گھٹنا، پھوٹے آنکھ: یعنی ضرب تو گھٹنے پر لگی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تمھاری آنکھ پھوٹ گئی۔ یہ کہاوت ایسے وقت استعمال ہوتی ہے جب کہا یا کیا تو کچھ جائے اور فریق اس کا مطلب کچھ اور ہی نکال لے جس کی کوئی تُک ہی نہ ہو۔

(۱۱) ماں سے پوت، نسل سے گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا: بیٹا تھوڑا بہت ضرور اپنی ماں کی فطرت اور عادت پر جاتا ہے اور اچھی نسل کے گھوڑے میں کچھ نہ کچھ اچھائی ہوتی ہے۔ یہی اس کہاوت کا مطلب ہے کہ ہر اچھائی

کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

(۱۲) مانگی موت بھی نہیں ملتی: وقت پڑے تو مانگی چیز بھی نہیں ملتی۔

(۱۳) مارے اور رونے نہ دے: یعنی ہر طرح سے مجبور کررکھا ہے کہ ظالم مارتا بھی ہے اور پھر رونے بھی نہیں دیتا۔

(۱۴) مت کر ساس برائی، تیرے بھی آگے جائی : جائی یعنی بیٹی۔ یہ عورتوں کی کہاوت ہے یعنی تو اپنی ساس کی برائی مت کر کیونکہ تیرے سامنے بھی بیٹی ہے جو کل بیاہی جائے گی اور ساس کے پاس چلی جائے گی۔ اس کہاوت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اے ساس! تو اپنی بہو کی برائی مت کر کیونکہ تیرے آگے بھی بیٹی ہے۔ اِنسان کو دوسروں کی برائی سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے کیونکہ کل وہ بھی اسی صورت سے دوچار ہو سکتا ہے۔

(۱۵) متھرا کا چوبا ہے: متھرا (ہندوؤں کا متبرک شہر) کے پنڈے اور چوبے اپنے مٹاپے کی وجہ سے مشہور ہیں کہ مفت کا کھا کھا کر مستاتے ہیں۔ اسی رعایت سے یہاں موٹے آدمی کو متھرا کا چوبا کہا گیا ہے۔ کہاوت میں تحقیر و تضحیک کا عنصر غالب ہے۔

(۱۶) مٹی کا مادھو ہے: یعنی بالکل بے وقوف اور ناسمجھ ہے جیسے مٹی کا پُتلا ہو۔

(۱۷) : مجذوب کی بڑ : بڑ یعنی بے تکی باتیں۔ فضول اور بیہودہ بات مجذوب کی بڑ کہلاتی ہے۔

(۱۸) مچھلی کے پوت کو کون تیرنا سکھائے: جیسے والدین ہوتے ہیں ویسی ہی اولاد بھی ہوتی ہے۔ اولاد ابتدائی عادات واطوار اپنے ماں باپ سے ہی سیکھتی ہے۔

(۱۹) محبت بکتی تو کوئی امیر آدمی غریب نہ ہوتا : امیر آدمی پیسے سے تو آسودہ ہوتا ہے لیکن عام طور پر محبت اور دوستی کا پیاسا ہوتا ہے اور دولت یہ کمی پوری نہیں کر سکتی۔

(۲۰) محرم کی پیدائش ہے: محرم ماتم کے لئے مشہور ہے۔ کوئی شخص اگر ہر بات پر روتا یا شکایت ہی کرتا رہے تو اس کے بارے میں یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۲۱) مدعی سُست، گواہ چُست : کسی معاملہ میں اگر اصلی فریق زیادہ مستعدی نہ دکھائے لیکن اُس کے ساتھی بہت آگے آگے ہوں تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۲) مرزا پھویا : یعنی انتہائی نازک مزاج شخص۔

(۲۳) مرتا کیا نہ کرتا: یعنی مجبور آدمی سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

(۲۴) مردہ بدست زندہ: لاچار اور بے یار و مددگار آدمی جو بالکل دوسروں کے بس میں اس طرح ہو جیسے کوئی مردہ آدمی زندہ لوگوں کے قابو میں ہوتا ہے۔

(۲۵) مردے پر جیسے سو من مٹی ویسے ہزار من : قبر پر سو من مٹی ڈالیں یا ہزار من، مرنے والے کے لئے یکساں ہے۔یعنی اگر کوئی کام ہاتھوں سے نکل جائے تو اس میں تھوڑے سے اور بگاڑ سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

(۲۶) مرے کے مال کے سب حق دار : مرنے والے کے مال کے بہت سے حقدار پیدا ہو جاتے ہیں جب کہ اس کی زندگی میں بیشتر لوگ اس کو پوچھتے بھی نہیں۔ کہاوت میں انسانی لالچ اور مفت کے مال کی ہوس کی جانب اشارہ ہے۔

(۲۷) مرگ انبوہ جشنے دارد :انبوہ یعنی گروہ یا مجمع۔اگر کسی وَبا یا حادثہ میں کثیر تعداد میں لوگ مارے جائیں تو ایک ہنگامہ کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک آدمی کی موت پر جو ماتمی صورت ہوتی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ کثیر تعداد میں آدمیوں کی موت جشن کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

(۲۸) مُردہ جنت میں جائے یا دوزخ میں انھیں حلوے مانڈے سے کام: انسان کی عام خصلت کی جانب اشارہ ہے کہ اسے مرنے والے کے انجام کی فکر نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف میت کے بعد جو کھانے کا اہتمام ہوتا ہے اس کی جانب دیکھتا ہے۔اسی مناسبت سے یہ کہاوت دوسرے انسانی حالات پر بھی صادق آتی ہے کہ کسی کے بھلے برے سے دوسروں کو کوئی سروکار نہیں ہوتا،وہ صرف اپنے فائدے کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔

(۲۹) مرضئ مَولا،از ہمہ اولیٰ : اللہ کی مرضی دوسرے سب لوگوں کی مرضی سے افضل ہے۔موقعِ استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳۰) مشتے نمونہ از خروارے: خروار یعنی بھنڈار۔ مطلب یہ ہے کہ مٹھی بھر چیز بھنڈار میں سے نمونے کے طور پر نکالی گئی ہے۔

(۳۱) مشک آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید : یعنی اصل مشک وہ ہوتا ہے جو خود خوشبو دے، نہ کہ وہ جس کی تعریف عطار کرے۔ باصلاحیت آدمی کو سفارش اور دوسروں کی پشت پناہی کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے ہی بل پر اپنا جائز مقام بنالیتا ہے۔

(۳۲) مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی : انسان پر جب مصیبت آتی ہے تو آگے پیچھے کئی ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ آدمی سوچتا ہے کہ بس یہ آخری مصیبت ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔

(۳۳) مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے: کوئی چھوٹی چیز بھی مفت ہاتھ آجائے تو غنیمت جاننا چاہئے۔ کہاوت کا مطلب اور محل استعمال ظاہر ہے۔یہ مرزا غالبؔ کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے:

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

(۳۴) مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال : مفت کے مال میں کسی کو اعتراض نہیں ہوتا

(۳۵) مکر چکر کی کہانی، آدھا تیل آدھا پانی : مکر چکر یعنی گول مول، دھوکہ فریب۔ آدھا تیل آدھا پانی اسی فریب کاری کی جانب اشارہ ہے کہ بات سیدھی اور سچی نہیں کی جا رہی ہے۔

(۳۶) مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی : یعنی چیز اچھی ہے لیکن جو بات اس میں ہونی چاہئے وہ نہیں ہے۔ مولوی مدّنؔ نامی ایک بزرگ دربار اودھ میں بہت رسوخ رکھتے تھے اور اپنی حق گوئی اور انصاف پسندی کے لئے مشہور تھے۔ یہ فقرہ اکبرؔ الہ آبادی کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے اور اپنے مزاح میں مولوی صاحب کے متعلق غلط تاثر دیتا ہے کہ ان کی داڑھی بہت شاندار تھی جب کہ اصل موضوع سخن ان کی بیباکی اور صاف گوئی ہے۔ شعر یوں ہے ؎

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

(۳۷) مگرمچھ کے آنسو : جھوٹ موٹ یاد کھاوے کا رونا دھونا۔ معلوم نہیں اس کو مگرمچھ کے آنسو کیوں کہتے ہیں۔

(۳۸) ملا کی دوڑ مسجد تک: جس شخص کی جیسی عادت پڑ جائے وہ ویسا ہی کرتا رہتا ہے۔ اس کی مثال ملا کی ہے جس کی دُنیا گھر اور مسجد تک محدود ہے چنانچہ اس کی دَوڑ انھیں دو جگہوں کے درمیان رہتی ہے۔

(۳۹) مُلا نہیں ہو گا تو کیا اذان نہیں ہو گی : یعنی اگر مسجد کے ملا صاحب خفا ہو کر چلے جائیں تو کیا اُس مسجد میں اذان ہی نہیں ہو گی؟ مطلب یہ ہے کہ کام کیسا ہی کیوں نہ ہو کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے رُک نہیں سکتا۔

(۴۰) ملک خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست: یعنی خدا کا ملک تنگ نہیں ہے اور نہ ہی اِس فقیر کے پیر میں لنگ ہے۔ گویا میں جہاں چاہے اِس دُنیا میں جا سکتا ہوں۔ کسی قسم کی کوئی رُکاوٹ میری راہ میں نہیں ہے۔

(۴۱) من بھر کا سر ہلا دیا، ٹکے بھر کی زبان نہیں ہلائی : کسی بات کا جواب دینے کے لئے کوئی شخص صرف سر ہلائے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۴۲) منگائی مسّی لے آیا مٹّی: یعنی اتنا احمق کہ ذرا سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اُس سے مسّی منگائی جائے تو وہ مٹّی اٹھا لاتا ہے۔

(۴۳) من چاہے منڈیا ہلائے: مُنڈیا یعنی سر۔ یعنی دل تو چاہ رہا ہے لیکن دُنیا کو دکھانے کے لئے سر کے اشارے سے نہیں کہہ رہا ہے۔ کوئی شخص بظاہر کسی چیز کے لینے سے انکار کرے لیکن دراصل وہ اس کا خواہش مند ہو تو یہ

کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۴۴) منھ سے نکلی کوٹھوں چڑھی: یعنی بات اِدھر منھ سے نکلی اور اُدھر دنیا میں مشہور ہوئی جیسے کوٹھے سے اس کا اعلان کیا جارہا ہو۔اسی مطلب کو دو اَور کہاوتیں یوں ادا کرتی ہیں کہ ''منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات'' اور ''نکلی حلق سے پہنچی خلق تک''۔

(۴۵) منھ سے بولے نہ سر سے کھیلے: یعنی چپ سادھ لی ہے اور کسی بات کا جواب نہ تو زبان سے دیتا ہے اور نہ ہی سر کے اشارے سے کام لیتا ہے۔

(۴۶) منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت: انتہائی ضعیف اور عمر رسیدہ شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نہ منھ میں دانت ہے اور نہ پیٹ میں آنت یعنی اتنا بوڑھا ہے کہ نہ تو کھانا ٹھیک سے چبا پاتا ہے اور نہ ہی اس کی آنتیں کھانا ہضم کر سکتی ہیں۔

(۴۷) منھ پر ٹھیکری رکھ لی ہے: ٹھیکری یعنی ٹوٹے گھڑے کا ٹکڑا۔منھ پر ٹھیکری رکھ لی جائے تو کہی ہوئی بات دوسروں کو سنائی نہیں دیتی۔ گویا منھ پر ٹھیکری رکھ لینا چپ سادھ لینے کا استعارہ ہے۔

(۴۸) منھ میں گُھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہنا: گھنگھنیاں ایک طرح کی دانہ دار مٹھائی ہوتی تھی جو منھ میں دیر تک رہتی تھی اور اس کی وجہ سے کھانے والا بات کم ہی کرتا تھا۔اب تو نظر بھی نہیں آتیں۔اس محاورہ کا استعمال ایسے شخص پر ہوتا ہے جو جانتے بوجھتے انجان بن کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''وہ تو گھنگھنیاں منھ میں ڈالے بیٹھا ہے۔''

(۴۹) من ترا حاجی بگویم، تو مرا ملا بگو: یعنی میں تجھے حاجی کہہ کر پکارتا ہوں، تو مجھے مُلّا کہہ کر بُلا۔یہ باہمی ستائش کی سانٹھ گانٹھ (سازش) ہے تاکہ دُنیا کو مصنوعی شرافت اور زہد کی ٹٹی کی آڑ سے دھوکا دیا جا سکے۔

(۵۰) من آنم کہ من دانم: یعنی میں جیسا کچھ ہوں خود ہی جانتا ہوں۔یہ انکساری اور عجز کی کہاوت ہے۔

(۵۱) من خوب می شناسم پیران پارسارا : یعنی میں اُن پیروں کو خوب جانتا ہوں جو پارسا بنتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے آپ کو بڑا نیک وپارسا ظاہر کرے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔اس میں تضحیک وطعنہ کا عنصر نمایاں ہے۔

(۵۲) منھ میں رام بغل میں چُھری : اگر کوئی شخص منھ پر تو چکنی چپڑی باتیں کرے لیکن دل کا بدنیت اور بباطن نقصان کے درپے ہو تو یہ کہاوت کہتے ہیں یعنی منھ سے تو رام کا نام جپ رہا ہے لیکن بغل میں چھری چھپی ہے کہ کب موقع ملے اور کب سینہ میں اتار دے۔

(۵۳) منھ میں لگام نہیں ہے : یعنی زبان پر اختیار یا قابو نہیں ہے، جاو بیجا بولتے ہیں۔

(۵۴) منھ چومتے ہی گال کاٹ لیا : یعنی ذراسی رعایت دیکھی توزیادتی پر اُتر آئے۔یہ چھچھورے پن کی نشانی ہے۔

(۵۵) منھ بھی اپنا، زبان بھی اپنی: انسان اپنے کہے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔اس کہاوت میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ آدمی کو اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہئے اور بے سوچے سمجھے کچھ کہنا نہیں چاہئے۔

(۵۶) منھ کا میٹھا، پیٹ کا کھوٹا : یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے کہی جاتی ہے جو بظاہر تو سیدھا سادا معلوم ہو لیکن جس کے دل میں بغض اور دشمنی بھری ہوئی ہو۔

(۵۷) موئے پر سو دُرّے: مُوا یعنی مُردہ۔دُرّا یعنی کوڑا۔ کسی کا بڑا نقصان ہوا اور اس پر اس کی بے عزتی بھی کی جائے تو گویا موئے پر سو دُرّے لگائے گئے۔اسی پر محل استعمال قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۵۸) مو کو نہ تو کو چولھے میں جھونکو: یہ عورتوں کی زبان ہے۔دو عورتوں میں کسی چیز پر لڑائی ہو رہی ہو اور مقدمہ کسی تیسری کے سامنے پیش کیا جائے تو فیصلہ یہ ہو سکتا ہے کہ ’’نہ یہ چیز تیری ہے اور نہ میری، چولھے میں جھونکو اس کو، جھگڑا کیوں ہو رہا ہے ذرا سی بات پر؟‘‘

(۵۹) موم کی ناک ہے : یعنی بہت کمزور ہے، جس طرح چاہے موڑ لو۔

(۶۰) مُول سے بیاج پیارا ہوتا ہے: بیاج (سود) پر روپے قرض دینے والے کو مول یعنی اصل رقم کی واپسی کی فکر بالکل نہیں ہوتی بلکہ وہ بیاج وصول کرنے کا خواہشمند رہتا ہے تا کہ قرض کبھی ادا نہ ہو اور سود اِسی طرح ملتا رہے۔

(۶۱) موئی بھیڑ خواجہ خضر کی نیاز : موئی یعنی مری ہوئی۔لوگ خیرات یا نیاز میں کم قیمت چیزیں استعمال کرتے ہیں تا کہ خرچ کم ہو لیکن نام بہر حال ہو جائے۔خواجہ خضر کی نیاز سے مراد نیک کام ہے۔مری ہوئی بھیڑ حرام ہوتی ہے لیکن کھانے والوں کو تو اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ مری تھی یا ذبیحہ۔ گویا کہاوت اِنسان کی خود غرضی کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۶۲) موری کی اینٹ چوبارہ چڑھی: موری یعنی نالی۔چوبارہ یعنی بلند مقام۔اگر کوئی نااہل اور کم سواد آدمی اونچے مقام پر فائز ہو جائے تو گویا نالی کی اینٹ کو چوبارہ کی چنائی میں جگہ دی گئی ہے۔یہ کہاوت ایسے ہی موقع پر کہی جاتی ہے۔

(۶۳) مونچھ نیچی ہو جانا : اونچی مونچھ عزت و افتخار کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔مونچھ نیچی ہو جانا یعنی بے عزتی ہو جانا۔اس سلسلہ میں ایک کہانی مشہور ہے۔ایک خان صاحب کی بڑی شاندار تلوار مار کہ مونچھیں تھیں جن کو وہ ہر وقت تاؤ دیتے رہتے تھے۔ایک دن ان کو بازار میں ایک بنیا نظر آیا جس کی مونچھیں بھی اُنھیں کی طرح تاؤدار تھیں۔ بھلا ایک میان

میں دو تلواریں کس طرح رہ سکتی تھیں؟ خان صاحب نے غصہ میں آ کر اُس بنئے سے کہا کہ وہ اپنی مونچھ نیچی کر لے لیکن بنئے نے بلا قیمت ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر خان صاحب نے اس کو منھ مانگے پیسے بطور رشوت دئے اور بنئے نے اپنی ایک طرف کی مونچھ نیچی کر لی۔ خان صاحب نے جاتے جاتے مُڑ کر دیکھا کہ اُس کی دوسری جانب کی مونچھ پہلے کی طرح ہی اینٹھی ہوئی تھی تو چراغ پا ہو گئے۔ بنئے نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ''سرکار! ہمارا معاہدہ تو مونچھ نیچی کرنے کا تھا۔ اس میں دونوں طرف کی مونچھوں کی شرط تو نہیں تھی۔ اس کو نیچا کرنے کے لئے الگ سے کچھ عنایت کیجئے''۔ خان صاحب نے اُس کو مزید پیسے دئے اور بنئے نے دوسری مونچھ بھی نیچی کر لی۔ خان صاحب اب مطمئن ہو کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے اپنی راہ چل دئے۔

(۶۴) موئے پر سو دُرّے : مُوا یعنی مرا ہوا۔ دُرّہ یعنی کوڑا۔ مرے ہوئے آدمی پر کوڑے لگانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ شقاوت اور ظلم کی نشانی ہے۔ کہاوت کا مطلب ہے مظلوم پر مزید ظلم کرنا۔

(۶۵) میری جوتی سے: یہ عورتوں کی زبان ہے، یعنی میری بلا سے، یہ اتنی فضول بات ہے کہ اس کی فکر میری جوتی کو بھی نہیں ہے۔

(۶۶) میاں کی جوتی میاں کے سر: اگر کوئی شخص دوسروں کی بے عزتی کرے اور وہ لوٹ کر اسی کے منھ پر ماردی جائے تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔ کہاوت میں اہانت اور تحقیر کا پہلو غالب ہے۔

(۶۷) میری جوتی کی نوک پر: یعنی میری بلا سے، مجھے فکر نہیں۔ یہ کہاوت بھی عورتوں کی زبان میں ہے۔

(۶۸) مینڈکی کو بھی زکام ہوا : مینڈک پانی میں رہتی ہے اور محاورتاً بھی اس کو زکام لاحق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے ساتھ ناممکن اور انہونی حادثہ پیش آنے کا دعویٰ کرے تو کہتے ہیں کہ مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔

(۶۹) میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھو تھو: ہپ ہپ یعنی شوق سے کھانا اور تھو تھو یعنی ناپسند کرکے تھوک دینا ۔ کوئی شخص آسان کام پر تو راضی ہو جائے لیکن محنت سے بھاگے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۷۰) میراث پدر خواہی، علم پدر آموز: یعنی اگر تو اپنے باپ کی میراث کا خواہاں ہے تو پہلے اس کا سا علم حاصل کر۔ کہاوت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو بزرگوں کے مقام اور حیثیت کی بنیاد پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں حالانکہ خود ناکارہ اور نااہل ہوتے ہیں۔

(۷۱) میرے بیل نے وکالت نہیں پڑھی : فضول باتوں میں پڑ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے آدمی کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ اس کہاوت سے منسوب ایک لطیفہ ہے۔ ایک تیلی کے بیل کی ملکیت کا مقدمہ عدالت میں پیش

ہوا۔ مخالف وکیل نے تیلی سے جرح کے دوران پوچھا کہ ''تم کولھو کے بیل کی گردن میں گھنٹی کیوں باندھتے ہو؟'' تیلی نے جواب دیا کہ ''جب ہم اپنے کسی کام سے اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں تو گھنٹی کی آواز سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ بیل اپنے کام سے لگا ہوا ہے۔'' وکیل نے پوچھا کہ ''اگر بیل رُک کر کھڑا ہو جائے اور یونہی گردن ہلاتا رہے تو تم کو کیسے پتہ چلے گا؟'' تیلی نے مسکرا کر کہا کہ ''حضور! میرے بیل نے وکالت نہیں پڑھی ہے۔''

---

(۳۰) ن۔ کی کہاوتیں:

(۱) ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے: بہت نازک مزاج ہیں، ذرا سی بات کی برداشت نہیں ہے۔

(۲) نام بڑے اور درشن چھوٹے: دُنیا بھر میں نام و نمود تو بہت ہے لیکن اندر سے کھوکھلے اور کم دل ہیں۔ کہاوت کا محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۳) نادان دوست سے دانا دشمن اچھا: کہاوت کا مطلب صاف ہے اور اسی سے اس کا استعمال قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۴) نادان کی دوستی زیان: دوستی ہمیشہ سمجھدار لوگوں سے کرنی چاہئے۔ نادان کی دوستی سے نقصان پہنچنے کا بہت امکان ہوتا ہے۔

(۵) ناک کا بال ہونا: ناک کے بال اگر نوچ کر نکالے جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے معاملات میں بہت دخیل ہو جائے اور اس کی بات ہر مسئلہ میں مانی جانے لگے تو کہتے ہیں کہ وہ تو فلاں کی ناک کا بال ہے۔

(۶) ناچ نہ آئے، آنگن ٹیڑھا: قصہ مشہور ہے کہ ایک رقاصہ محفل میں ناچ رہی تھی۔ جب لوگوں نے اس کے ناچ کو ناپسند کیا تو اس نے جواباً کہا کہ ''میں کیا کروں، اس گھر کا آنگن ہی ٹیڑھا ہے۔ بھلا اچھا ناچ یہاں کیسے ہو سکتا ہے؟'' چنانچہ اب یہ کہاوت ایسے
موقع پر استعمال ہوتی ہے جب کوئی اپنی نااہلیت کی وجہ ایسی بتائے جس کا اُس کام سے مطلق کوئی واسطہ نہ ہو۔

(۷) ناک پکڑو تو جان نکلتی ہے: یعنی بے حد نازک اور کمزور ہیں۔

(۸) نادان سے دوستی جی کا جنجال : کہاوت کے معنی اور محل استعمال ظاہر ہیں۔

(۹) نادر شاہی حکم: نادر شاہ دُرانی نے دہلی پر حملہ کے دوران وہاں قتل عام کروایا تھا۔ نادر شاہی حکم یعنی ایسا ظالمانہ حکم جس کی تعمیل لازمی ہے اور جس سے مفر نہیں۔

(۱۰) ناچنے نکلے تو گھونگھٹ کیسا: یعنی جب برے کام کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر شرم و حیا کا کیا سوال ہے۔

(۱۱) ناک کٹ گئی: یعنی بڑی بے عزتی ہوئی، بہت رُسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

(۱۲) نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات : یعنی کچھ حاصل نہ ہوا۔ کوئی کام محنت سے کیا جائے اور اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۱۳) نزلہ عضو ضعیف پر ہی گرتا ہے: کمزور آدمی ہی ہمیشہ مصیبت اور خرابی کا شکار ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح نزلہ کا اعصابی اثر اُسی عضو پر ہوتا ہے جو کمزور اور ضعیف ہوتا ہے۔

(۱۴) نقل کفر کفر نہ باشد: یعنی کسی کے کفر کی نقل کرنے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا اصل عقیدہ قائم رہتا ہے۔ گویا اگر کوئی شخص کسی اَور کی تقلید میں بے سوچے سمجھے کوئی برائی کرے تو اس کا جرم اتنا قابل گرفت نہیں ہوتا جتنا اس کے پیر و مرشد کا ہوتا ہے۔

(۱۵) نقش بر آب ہے: مٹ جانے والا ہے، بے ثبات ہے جیسے پانی پر بنایا ہوا نقش اُسی وقت غائب ہو جاتا ہے۔

(۱۶) نکٹے کا کھائے، اوچھے کا نہ کھائے: کم ظرف یا اوچھا آدمی اپنے ذرا سے احسان کو بھی بار بار جتاتا ہے۔ لہٰذہ اس کا احسان نہیں لینا چاہیے۔ کسی عیب دار مثلاً نکٹے شخص کا احسان اٹھانا اوچھے کے احسان سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۷) نکٹے کی ناک نہیں کٹتی: یعنی جو پہلے سے ہی بے عزت اور بے حیا ہو اس کے لئے عزت بے معنی چیز ہے۔

(۱۸) ننگی کیا نہائے گی، کیا نچوڑے گی: غریب آدمی کی ہر طرح مصیبت ہے۔ اس کی مثال ایک ایسی غریب عورت ہے جس کے پاس ایک ہی جوڑا کپڑا ہو۔ اگر وہ کپڑے پہن کر نہائے تو سُکھانے کے لئے ان کو کیسے نچوڑ سکتی ہے کہ پھر اس کی بے پردگی ہو گی۔

(۱۹) ننگے کو کیا ننگ، کالے کو کیا رنگ :یعنی جو شخص برہنہ ہو اُسے برہنگی کا کیا خوف۔ جس طرح کالے رنگ پر کوئی اور رنگ نہیں چڑھتا ہے اسی طرح ننگا آدمی بھی اپنی حالت سے بے نیاز رہتا ہے۔ اگر کوئی اپنی عادات و اطوار میں بے غیرت ہو تو اس پر یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔

(۲۰) نناوے کا پھیر: یعنی دولت کا چکر اور لالچ۔ نناوے سے روپوں کی بڑی تعداد مقصود ہے۔

(۲۱) نو نقد، نہ تیرہ اُدھار: لین دین میں اُدھار ہمیشہ مسئلے پیدا کرتا ہے۔ سب سے اچھا سودا نقد ہوتا ہے۔ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ نقدا گر نو روپے مل جائیں تو وہ اُدھار کے تیرہ روپوں سے بہتر ہیں۔ کل کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔

(۲۲) نورٌ علیٰ نور: یعنی مکمل نور، نور ہی نور۔ بہت روشن۔ تعریف کے لئے کہا جاتا ہے۔

(۲۳) نو دو گیارہ ہونا: یعنی بھاگ کھڑے ہونا، رفوچکر ہو جانا۔ یہ نہیں معلوم کہ بھاگ جانے سے نو دو گیارہ کی کیا مناسبت ہے۔

(۲۴) نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی: یعنی دُنیا بھر کی برائیاں کر چکے تو اب بڑھاپے میں پارسائی کی سوجھی ہے۔ انسان آخر عمر میں مذہب کی جانب مائل ہوتا ہے اور اپنے پچھلے سارے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ کہاوت اسی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

(۲۵) نہ تین میں، نہ تیرہ میں: جس شخص کا شمار کہیں نہ ہو یعنی اس کی کوئی اہمیت نہ ہو اس کے لئے یہ کہاوت بولی جاتی ہے۔

(۲۶) نہ نو من تیل ہو گا، نہ رادھا ناچے گی: پرانا قصہ ہے کہ ایک مشہور رقاصہ اُس وقت تک رقص کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی جب تک چراغاں کا معقول انتظام نہیں ہو جاتا تھا۔ نو من تیل بے شمار چراغوں کی علامت ہے۔ کوئی اگر کسی کام کے لئے ایسی شرط لگائے جس کا پورا کرنا ممکن نہ ہو تو یہ کہاوت دُہرائی جاتی ہے یعنی نہ تو اِن کی یہ فضول شرط پوری ہو گی اور نہ یہ کام کر کے دکھائیں گے۔

(۲۷) نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری: کام کی وجہ باقی نہ رہے تو اس کی ضرورت بھی ختم ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اگر بانس ختم ہو جائیں تو بانسری نہیں بن سکتی۔ اگر کسی چیز کی بنیاد ہی ختم کر دی جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۲۸) نیکی برباد، گناہ لازم: یعنی نیکی کو تو سب لوگ بھول گئے اور الزام اُلٹا ہمارے سر رکھ دیا۔ دُنیا کا یہی دستور ہے کہ نیکی کو کوئی یاد نہیں رکھتا جب کہ بدنامی بخشنے کے لئے ہر ایک آمادہ رہتا ہے۔

(۲۹) نیم حکیم خطرۂ جان، نیم مُلّا خطرۂ ایمان: اَدھورا علم ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے جیسے نیم حکیم سے مریض کی جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور نیم مُلّا کے علم سے لوگوں کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

(۳۰) نیکی کر دریا میں ڈال: دنیا کا دستور ہے کہ نیکی تو بھول جاتی ہے لیکن ذرا سی برائی ہو جائے تو عمر بھر یاد رکھتی ہے۔ اس لئے کسی کے ساتھ نیکی کر کے اس کے بدلے میں اچھائی کی اُمید بیکار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی نیکی کر کے اسے بھول جائے جیسے کی ہی نہیں تھی گویا نیکی کو دَریا بُرد کر دینا اچھا ہے۔

(۳۱) نیکی اور پوچھ پوچھ: کسی سے کوئی نیکی کرنی ہو تو اس سے پوچھا نہیں جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی اچھے

کام کا ارادہ ظاہر کرے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۳۲) نیبو نچوڑ آدمی : قصہ مشہور ہے کہ ایک مفت خور آدمی بازار یا سرائے میں منتظر رہتا تھا کہ کوئی کھانا کھاتا نظر آجائے۔ جوں ہی وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا تو اس کے پاس بیٹھ کر کہتا ''صاحب! یہ آپ کیا روکھا سوکھا کھا رہے ہیں۔ اس کھانے کا اصل مزہ تو تب ہے جب اس میں نیبو نچوڑا جائے''۔ یہ کہہ کر جیب سے ایک نیبو نکال کر کھانے والے کی دال وغیرہ میں نچوڑ دیتا۔ وہ بیچارہ مروتاً اُس مفت خور کو بھی کھانے میں شامل کر لیتا۔ ایسے ہی مفت خورے کو نیبو نچوڑ آدمی کہتے ہیں۔ اسی پر دوسری صورتیں قیاس کی جا سکتی ہیں۔

----

(۳۱) و۔ کی کہاوتیں:

(۱) وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں : کسی کا کام اٹک جائے تو وہ مطلب بر آری کے لئے خراب سے خراب قدم اٹھانے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ گدھے کو باپ بنانا اسی جانب اشارہ ہے۔

(۲) ولی کو ولی پہچانتا ہے: ہم جنس ہی اپنے ہم جنس کو پہچانتا ہے۔ یہ کلیہ زندگی کے ہر شعبہ میں صحیح ہے۔ اسی مطلب کی ایک اور کہاوت ہے کہ ''چور کا بھائی اٹھائی گیرہ''۔

(۳) وہی مرغے کی ایک ٹانگ : کوئی اپنی ضد پر اَڑ جائے اور کسی طرح بات نہ سنے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ اس سے ایک دلچسپ کہانی وابستہ ہے۔ کسی بادشاہ کے دستر خوان پر مرغ پک کر آیا تو باورچی نے للچا کر ایک ٹانگ ہڑپ کر لی۔ بادشاہ کے سامنے جب ایک ہی ٹانگ پہنچی تو اس نے باورچی سے وجہ دریافت کی۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ''حضور! اس مرغ کی ایک ہی ٹانگ تھی۔'' بادشاہ نے کہا کہ '' کہیں مرغ کے ایک ٹانگ بھی ہوا کرتی ہے؟ مجھے بھی ایسا مرغ دکھانا''۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ سلامت کہیں جا رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک مرغ ایک ٹانگ پر کھڑا ہوا تھا۔ باورچی نے عرض کی کہ ''دیکھئے حضور! وہ رہا ایک ٹانگ کا مرغ۔'' بادشاہ نے حکم دیا کہ اسی وقت ڈھول بجایا جائے۔ ڈھول کی آواز سے گھبرا کر مرغ نے اپنی دوسری ٹانگ پروں سے نکالی اور بھاگ لیا۔ بادشاہ نے باورچی کی طرف دیکھا تو اس نے عاجزانہ کہا کہ ''حضور! اُس دن میرے پاس ڈھول نہیں تھا ورنہ میں بھی بجوا دیتا اور مرغ کی دوسری ٹانگ بر آمد کر لیتا''۔ بادشاہ اُس کی حاضر جوابی پر ہنس پڑا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ کہاوت اب ہٹ دھرمی پر بولی جاتی ہے۔

(۴) وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑاتے تھے : یعنی اچھا وقت گزر گیا اور اب آزمائش اور سختی کا زمانہ سر پر پڑا ہے۔ یہ کہاوت تب کہی جاتی ہے جب کسی کے اقبال کا زمانہ ختم ہو چکا ہو اور وہ برے دن دیکھ رہا ہو۔ کہاوت میں تضحیک کا عنصر ہے۔

(۵) وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا: روایات میں فرضی حکیم لقمانؔ حکمت میں کمال کے لئے بہت مشہور ہیں۔ لیکن وہ بھی وہم کا علاج نہیں کر سکتے تھے۔ اور آج بھی اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

----

(۳۱) ہ۔ کی کہاوتیں:

(۱) ہاتھ بیچے ہیں، ذات نہیں بیچی : یعنی نوکری تو کی ہے لیکن غلامی اختیار نہیں کی ہے۔

(۲) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں : کوشش نہیں کرتے، کاہلی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

(۳) ہاتھی مر کے بھی سوا لاکھ کا : ہاتھی کی زندگی میں تو اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہی ہے، اگر وہ مر بھی جائے تو اس کی لاش بھی بازار میں خاصی بڑی قیمت لاتی ہے۔ گویا کسی دولت مند پر برا وقت آ جائے تو بھی عموماً وہ اک دم بے قیمت نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وقعت، ساکھ اور نام و نمود کسی نہ کسی حد تک قائم رہتی ہے۔

(۴) ہاتھی سے گنّا نہیں چھینا جاتا: جس طرح ہاتھی سے گنا چھیننا اپنی موت کو دعوت دینا ہے اسی طرح طاقتور اور ظالم شخص سے دشمنی مول نہیں لینی چاہئے۔

(۵) ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں : ہاتھی کے پیر کا نشان جانوروں میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور ہر دوسرے جانور کے پیر کا نشان اس کے پیر کے نشان میں سما سکتا ہے۔ اس کہاوت سے کسی شخص کا اتنا با کمال ہونا مراد ہے کہ دوسروں کے کمال اس کے مقابلہ میں ماند پڑ جائیں۔

(۶) ہاتھ کنگھن کو آرسی کیا ہے: آرسی ایک قسم کی بڑی انگوٹھی ہوتی ہے جو پچھلے زمانے میں عورتیں اپنے انگوٹھے میں پہنا کرتی تھیں۔ اس میں نگ کی جگہ ایک چھوٹی سے گول ڈھکنے دار ڈبیا ہوتی تھی اور ڈھکنے میں ایک گول شیشہ لگا ہوتا تھا جس کے آس پاس خوبصورت نقش و نگار یا رنگین نگ ہوتے تھے۔ عورتیں اس شیشہ میں دیکھ کر اپنا سنگھار درست کیا کرتی تھیں۔ ڈبیا میں عام طور پر مسّی رکھی جاتی تھی۔ مسّی ایک قسم کے سفوف کو کہتے ہیں جس کے

لگانے سے مسوڑھے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کا خیال یہ تھا کہ کالے مسوڑھوں کے درمیان سفید چمکتے ہوئے دانت خوبصورتی میں اضافہ کریں گے۔ کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ میں پہنے ہوئے کنگن کو دیکھنے کے لئے آرسی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تو نظروں کے سامنے ہی ہے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اگر کوئی چیز ظاہر اور بالکل سامنے ہو تو یہ کہاوت بولی جاتی ہے کہ اس میں تردد یا بحث کی کیا جرورت ہے، یہ بات تو بالکل سیدھی سادی ہے۔

(۷) ہاتھی نکل گیا دُم رہ گئی: یعنی بڑا کام تو ہو گیا اب صرف اُس کا چھوٹا سا حصہ رہ گیا ہے۔

(۸) ہاتھ بھر کی زبان ہے: بہت زبان دراز ہے۔ زبان پر قابو نہیں ہے۔

(۹) ہاتھ دھو کے پیچھے پڑے ہیں: بری طرح پیچھے پڑ گئے، کسی طرح ان سے نجات نہیں ملتی۔

(۱۰) ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے: ہم جنس کو ہم جنس ہی پہچانتا ہے۔

(۱۱) ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے: بے انتہا بدحواسی کے اظہار کے لئے کہتے ہیں۔ بھوچکا رہ گئے۔

(۱۲) ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا: گُھپ اندھیرا ہے۔

(۱۳) ہاتھ لگاؤ تو رنگ میلا ہوتا ہے: یعنی اتنی حسین کہ ہاتھ لگانے سے ہی رنگ میلا ہو جاتا ہے۔ محل استعمال معنی سے ظاہر ہے۔

(۱۴) ہاتھی کے دانت، کھانے کے اور دِکھانے کے اور: یہ کہاوت ایسے شخص کے لئے بولی جاتی ہے جو کہتا کچھ ہو اور کرتا کچھ اور جیسے ہاتھی کے باہر کے دانت صرف دیکھنے کے لئے ہی ہوتے ہیں لیکن کھانے کے لئے دوسرے دانت منھ کے اندر رہوتے ہیں۔

(۱۵) ہتھیلی پر سرسوں جمانا: سرسوں کے تیل کو منجمد کرنا نہایت دقت طلب کام ہے کیونکہ اس کا نقطہءانجماد بہت کم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہتھیلی پر رکھ کر اس کو منجمد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہاوت اُس وقت استعمال ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی کام کو اتنے کم وقت میں کرنا چاہتا ہو جس میں وہ ناممکن ہو۔

(۱۶) ہر ملکے وہر رَسمے: ہر ملک کے رسم ورواج جدا جدا ہوتے ہیں۔ آدمی جہاں رہے وہاں کے حالات سے سمجھوتا کرنا چاہئے۔

(۱۷) ہر چہ دَر کانِ نمک رفت نمک شُد: یعنی جو بھی نمک کی کان میں گیا وہ نمک (یعنی کان کا حصہ) بن جاتا ہے۔ یہ کہاوت صحبت اور ماحول کے اثر کو نمک کی کان سے تعبیر کر رہی ہے کہ ماحول کے اثر سے فرار ممکن نہیں ہے۔

(۱۸) ہر کہ آمد عمارت نو ساخت: یعنی جو بھی آیا اس نے نئی عمارت کھڑی کر دی۔ یہ دُنیا کا دستور ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اپنے آس پاس کی چیزوں اور آدمیوں پر اپنا اثر جمانے کی کوشش کرتا ہے۔

(۱۹) ہر فرعونے را موسیٰ: ہر ظالم سے نمٹنے کے لئے قدرت نے کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دی ہے جیسے فرعون کے لئے حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے۔

(۲۰) ہزار منھ ہزار باتیں: معنی اور استعمال ظاہر ہیں۔

(۲۱) ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے: کپڑا رنگتے وقت اس میں رنگریز ہلدی اور پھٹکری استعمال کرتے ہیں تا کہ رنگ نکھر آئے۔ کسی خارجی اضافی ذریعہ کے بغیر ہی اگر صحیح کام ہو جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔

(۲۲) ہماری بلّی اور ہمیں سے میاؤں: یعنی ہمارا ہی کھاتا ہے اور ہمیں پر غرّاتا ہے۔

(۲۳) ہنستے کے سب ساتھی، روتے کا نا کوئے: دُنیا سکھ کی ساتھی ہے، دُکھ کے دنوں کے ساتھی بہت کم ہوتے ہیں۔

(۲۴) ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات: دیہاتی ہندی میں بیری کے پودے کو بروا کہتے ہیں۔ پات یعنی پتّے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو بیری کا پودا اچھا ہوتا ہے اس کے پتے بھی چکنے چکنے ہوتے ہیں۔ ہونہار بچے کے جوہر بھی شروع میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) ہوں گے پوت تو پوجیں گے بھوت: پُوت یعنی بیٹا۔ دُنیا میں بیٹی کے مقابلہ میں بیٹے کی زیادہ قدر و قیمت سمجھی جاتی ہے۔ غریبوں میں خاص طور سے بیٹے کی پیدائش پر نسبتاً زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔ کہاوت یہی کہہ رہی ہے کہ کسی کے بیٹے ہی بیٹے ہوں تو بھوت بھی اس کو ڈرانے کے بجائے اُس کی پرستش کرنے آجاتے ہیں۔ اس کہاوت کے ایک معنی یہ بھی لئے جاتے ہیں کہ اولاد کی اُمید میں بھوت پریت کی پرستش بھی منظور ہے۔

(۲۶) ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں: یعنی واپسی کی جلدی ہے، فوراً جانا چاہتے ہیں۔

----

(۳۲) ی۔ کی کہاوتیں:

(۱) یار زندہ صحبت باقی: اگر زندہ رہے تو پھر ملاقات ہو گی۔

(۲) یاد اللہ ہے: یعنی سلام دُعا ہے، جان پہچان یا واقفیت ہے۔

(۳) یک جان دو قالب: پکے دوست، آپس میں بڑی محبت کرنے والے۔